

استیاذ حق

راجا غلام محمد

فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کی سیاری کردار کا نقابلی جائزہ

مطبوعہ: مکتبہء فتاویٰ، لاہور

Presented Online By:

اعلیٰ حضرت نیت ورک
Alahazrat Network



فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کی سیاسی کردار کا نقابلی جائزہ

امتیاز حق

مع ضمیمہ
امتیاز حق ارباب تحقیق کی نظر میں

راجا غلام محمد
صدر ادارہ ابطال باطل لاہور

مکتبہ قادریہ لاہور

نام کتاب : امتیاز حق
 تالیف : راجا غلام محمد، صدر ادارۃ البطلان لاہور
 کتابت : محمد عاشق حسین ہاشمی، چنیوٹ
 سن طباعت : صفر المظفر ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

طبع : ایم منیر قاضی
 مطبع : مئی پرنٹرز، سرگڑو، لاہور

قیمت :
 ملنے کے پتے :

- (۱) مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری منڈی لاہور
- (۲) مکتبہ شمس، شمس العلوم جامعہ رضویہ، ایس آر ٹی، ہاک
- نارتھ ناظم آباد کراچی
- ۳۔ مکتبہ غفریہ، راستہ القرآن، امت زاباد، ملتان
- ۴۔ مکتبہ اشرفیہ، مرید کے

فہرست

- ۱- ارباب تحقیق کے اسماء گرامی ۴
- ۲- پیش لفظ ۵
- ۳- خرد کا نام جُنوں رکھ دیا جُنوں کا خرد ۷
- ۴- جنگِ آزادی اور فضلِ حق خیر آبادی ۱۷
- ۵- صاحبِ علم و فضل ۱۸
- ۶- انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد ۲۵
- ۷- جنگِ آزادی میں فضلِ حق کا عمومی کردار ۳۷
- ۸- جنگِ آزادی کا مخالف کون؟ ۵۱
- ۹- انگریزوں کا ایک ماسٹیمہ پروار ۵۵
- ۱۰- شاہ اسماعیل بہوی کا سیاسی کردار ۶۱
- ۱۱- انگریزوں کے ساتھ تعلقات ۶۸
- ۱۲- انگریزوں کی دعوتیں ۷۷
- ۱۳- انگریزوں کے جاسوس ۸۳
- ۱۴- انگریزوں کے خلاف جہاد کے بارے میں وہابیوں کا موقف ۸۷
- ۱۵- انگریزوں کے ایماء پر سکھوں سے لڑائی ۹۳
- ۱۶- سرحد کے مسلمانوں کے خلاف جہاد ۱۱۳
- ۱۷- حقائق کا اخصار ۱۲۹
- ۱۸- حرفِ آخِر ۱۳۵
- ۱۹- کتابیات ۱۳۹
- ۲۰- امتدادِ حرمِ اربابِ تحقیق کا لفظ ۱۴۳

امتیاز حق ارباب تحقیق کی نظر میں

۱۸۷	۲۳- جناب سید مستوی	۱۲۲	۱- حافظ ڈاکٹر محمد عادل
۱۸۸	۲۴- پروفیسر محمد عظیم بیٹی	۱۲۸	۲- پروفیسر سید مسعود علی
"	۲۵- حکیم محمود احمد برکاتی	۱۵۲	۳- پروفیسر محمد قاسم
۱۸۹	۲۶- پروفیسر ولی محمد	۱۵۶	۴- پروفیسر میاں مقبول احمد
"	۲۷- میاں عبدالرشید	۱۵۸	۵- جناب بڑی انصاری
۱۹۰	۲۸- حافظ مظہر الدین مرحوم	"	۶- ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۱۹۱	۲۹- محمد ماسم عظمی ایم اے	۱۶۰	۷- پروفیسر محمد مسعود احمد
۱۹۲	۳۰- پروفیسر محمد حسین آسی	۱۶۱	۸- پروفیسر سید محمد عارف
۱۹۳	۳۱- سید یعقوب علی شاہ	۱۶۳	۹- جناب محمد اسرار سیل
"	۳۲- سید شمیم گوہر	۱۶۸	۱۰- پروفیسر سید سبط حسن فاضل زیدی
۱۹۵	۳۳- پروفیسر آفتاب احمد نقوی	۱۶۹	۱۱- حکیم نصیر الدین ندوی
۱۹۶	۳۴- سید الطاف علی بریلوی	۱۷۱	۱۲- پروفیسر خورشید حسین بخاری
"	۳۵- سید عابدی العظم کراچی	۱۷۲	۱۳- ڈاکٹر نظیر حسین زیدی
۱۹۶	۳۵- جناب افتخار احمد القادری	۱۷۵	۱۴- پروفیسر حافظ سید مقصود علی
۱۹۷	۳۶- پروفیسر وقار حسین طاہر	۱۷۷	۱۵- سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی
۱۹۸	۳۷- جناب محمد غنصیل	۱۷۹	۱۶- حکیم محمود احمد برکاتی
۲۰۰	۳۸- جناب حاجی احمد مجاہد	۱۸۰	۱۷- پروفیسر عبدالرشید فاروقی
۲۰۱	۳۹- مولانا محمد عبدالمنعم میز اردوی	۱۸۲	۱۸- ڈاکٹر محبت الحق عظمی
۲۰۲	۴۰- شاہین ملک	"	۱۹- پروفیسر سید قصوری
۲۰۳	۴۱- صاحبزادہ محمد محبت اللہ فوری	۱۸۳	۲۰- پروفیسر فیاض کاوش
۲۰۴	۴۲- جناب اختر شاہجہان پوری	۱۸۵	۲۱- عبدالشاید شروانی
۲۰۵	۴۳- الحاجہ عائشہ امجدیہ	"	۲۲- ڈاکٹر محمد

پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقسیمِ ہند ایک مسلمانانِ ہند کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ فرقہ و باہر انگریز کا کاشت کردہ پودا ہے جس کی آبپاری اس نے نہایت ہوشیاری سے کی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ نظریہ کسی بدگانی پر مبنی نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیاد وہ حقائق ہیں جن کو خود دہلوی حضرات نے بیان کیا۔ انہوں نے انگریز حکومت کو درخواست دے کر اپنے لیے دہلوی کی بجائے اہل حدیث کا نام منظور کرایا۔ (مقدمہ حیات سید احمد از پروفیسر محمد ایوب قادری مطبوعہ مئینس اکیڈمی کراچی ص ۴) ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعے رکھی گئی جن کو انگریز نے اپنی نگرانی میں تحریکِ جہاد کے نام پر منظم کیا اور پھر ان کو بڑی حفاظت سے پٹنوں کے علاقہ (سرحد) میں پہنچایا اور دوسرا فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف اس نے دہلوی تحریک کے ذریعے صوبہ سرحد میں جہاد کے نام پر اپنے دونوں دشمنوں سکھوں اور پٹنوں کو الجھایا تو دوسری طرف مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے فتنہ برپا کر دیا۔ قیامِ پاکستان تک اس تاریخی حقیقت کا کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ اس وقت کے سو سالہ دور کے تمام ریکارڈ، سوانح اور تواریخ اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ قیامِ پاکستان کے نئے موڑ کو غنیمت سمجھتے ہوئے انہوں نے تاریخ کو سچ کر نامناسب سمجھا اور سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی تحریک وہابیت کو تحریکِ آزادی اور ان کی انگریز دوستی کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کر دیا۔ اس بددیانتی کے سرخیل غلام رسول مہر ثابت ہوئے، جنہوں نے اپنی تصنیفات میں مسلمہ تاریخی واقعات کو اپنے ذاتی نظریہ کے تحت بدل کر خیانت کی اور یہ اعلان کیا: میں مجاہدین کی شان و آبرو کو ہر حال

کام کھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو، اور افادات مہر (ص ۲۳۱) اسی بنا پر انہوں نے ان دہائی قادیان کے بیانات کو بھی نظر انداز کر دیا، جو اس تحریک میں شامل یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے، اسی طرح انہوں نے محل وقوع اور واقعات پر مشتمل رسالہ قبل لکھی ہوئی تواریخ کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار کر دیا، چنانچہ شیر محمد پتی صاحب جوبھیمی تہذیب ہیں، انہوں نے مہر صاحب سے تاریخ فتاویاں تواریخ ہزارہ کے متعلق استفسار کیا، تو جواب میں اذل الذکر کے متعلق کہا امید نہیں کہ ہاتھ آئے اور تاریخ ہزارہ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان دونوں کتب کے علاوہ تاریخ پیشاور بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لائبریریوں میں بھی موجود تھیں اگرچہ عالیہ سائلوں میں ان کو غائب کر دیا گیا ہے، اب بھی ناپید نہیں ہیں۔ مہر صاحب جس واقعہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں، اس سے متعلق قدیم کتب تاریخ سے لاعلمی ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مہر صاحب قوم کو قصداً اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ مورخ ہونے کی حیثیت سے مہر صاحب واقعہ کے متعلق تاریخی کتب سے غرض نہیں ہو سکتے۔ درحقیقت مذکورہ کتب یہ صاحب کی تحریر کا اصل نسخہ واضح کرتی ہیں تواریخ ہزارہ کے چند اہم مسائل حل ہوئے، وہ خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے شوشے سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے (ص ۷۵) "یہ خلیفہ سید احمد لاہور وغیرہ دہلی کے تھے، کی طرف نہیں جاتا۔ یہ صرف اس کی باتیں ہیں، اصل غرض اس کی ہمارے ملک کو پامال کرنا ہے" (ص ۷۶) "یہ سوات میں چلے گئے، وہاں بھی ان کے عقائد خلاف شرع نے یہ اثر دکھایا کہ انہوں نے حساب (موجودہ والی سوات کے دافا) نے ان کے کفر کا حکم دیا اور ان کو نکال دیا" (ص ۷۷) انبیاء اور اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلاف شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے (ص ۷۸) ۷۹

جناب راجا غلام محمد نے زیر نظر کتاب میں سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے اصل کردار کو واضح فرماتے ہوئے اس دور کے مسلم قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی کے کارناموں کا تعارف بھی کرایا ہے۔ قوم راجا صاحب کی اس کوشش کی ممنون ہوگی۔

خرد کا نام جُنوں کھ دیا جُنوں کا خرد

بڑے صغیر ہندوستان میں تجارت کے نام سے داخل ہونے والے غیر ملکی مختلف حیلوں سے ملک پر قابض ہو گئے۔ سیکھہ میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت پارہ پارہ ہوتی گئی۔ سلطان ٹیپو شہید اور سرسراج الدولہ نے آندھروں میں چراغ جلائے، مگر اندھیرے چھٹ نہ سکے۔

نہ ڈوگ گائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

مسلمان کسی حکومت کا سربراہ ہوتا تو اس ملک کا مالک و مختار نہیں ہوتا، وہ خدا کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے اور اس نیابت کی حد تک مسلمان کے لیے نگرانی لایہی ہے۔ اسلام میں حکومتی کا تصور تک نہیں ہے۔ اپنی کمزوریوں اور حالات کی ستم ظریفی کے باعث حکومت ہم سے چھین گئی، مگر مہاراجہ خیر آبادی سے اٹھا ہے۔ غلامی اور محکومی مہاراجے کے لیے قابل برداشت نہیں ہوتی۔ انگریزوں نے مختلف حربوں سے ہمیں کاروبار حکومت سے بے دخل کیا تھا۔ اس نے مختلف حیلے استعمال کیے کہ ہم اپنی آزادی کی بات نہ کریں اور اس کی غلامی کے جوئے کو گلے کا بار بنائے رکھیں۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے شہرہ آفاق فارمولے کو بھی استعمال کیا،

"لڑاؤ اور حکومت کرو"

اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کیے جنہوں نے کلمہ گوتوں کے خلاف کفر اور شرک

کے فتوے دیئے۔ اہل اسلام کے وہ اعتقادات جن پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین کے اقوال و ارشادات اور اعمال و افعال کی بنیاد رہی ہے۔ ان کو خلاف توحید، ٹھہرایا گیا۔ محبوب۔ ب. العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بیخ کنی کرنے اور سرکار کے ناموس کی حرمت عزت کے تحفظ کے احساس کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی گئی تاکہ وہ اساس ہی نہ رہے جس پر مسلمان ظلم و کفر کے خلاف نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

مرہٹوں اور سلطان ٹیپو کی طاقت کو ختم کرنے کے بعد پنجاب کے سکھوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے غیر مسلمان ہی انگریزوں کے پورے ہندوستان پر قبضے کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی سرپرستی میں مسلمانوں میں سے ایک جماعت تیار کی جو سکھوں سے بھی لڑے اور سرحد کے مسلمانوں سے بھی۔ سرحد کے اہل اسلام اپنے معتقادات میں بہت سخت رہے ہیں، انہیں محبوب کبریا علیہ التیغ والثناء کی ذات سے محبت و عقیدت تھی۔ اولیائے کرام، پیروں اور بزرگوں کی وہ ہمیشہ سے عزت و تکریم کرتے آئے ہیں۔ ایسے میں انگریز کی تیار کردہ جماعت اگرچہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پیر و مرشد نہیں مانتی تھی کہ انہیں (نعوذ باللہ) مرکز مطہری میں مل جانے والا کہتی تھی، مگر سرحد میں اپنے سربراہ کو پیر کے روپ میں لے کر داخل ہوئے، اس سے کچھ پٹھانوں نے اپنی روایتی عقیدت و ارادت سے کام لیتے ہوئے ان کی بیعت کی، لیکن ان کے ارشاد و آقاہ ہونے کے بعد ان کے مخالف ہو گئے۔

اس تحریک سے انگریزوں نے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیے۔ مسلمان دہگردوں میں بٹ گئے اور ان کی آپس میں جھپٹش سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا، کچھ کمزور ہو گئے اور ان کی کمزوری سے انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ یہ واقعات انیسویں صدی کے دوسرے ربع کے آغاز میں رونما ہوئے تیسرے ربع میں مسلمانوں نے غیر مسلم اور غیر ملکی اقتدار سے جان چھڑانے کے لیے بغاوت کی تحریک آزادی کی جنگاریاں مسلکتی مسلکتی شعلہ بن گئیں۔ پندرہویں جنگ آزادی میں اگرچہ ہندو بھی شریک تھے، مگر مسلمانوں نے جان و مال اور آبرو کی پروا نہ

کرتے ہوئے انگریزوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے جو قربانیاں دیں، ان کی مثال نہیں ملتی، اگرچہ وہ اس میں فوری طور پر کامیاب نہ ہو سکے، مگر ۱۸۵۷ء اسی خواب کی تعبیر کی واضح اور خوش آئند شکل تھی، جب ہم نے آزادی کی سانس لی۔

زندہ قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں، اپنی جدوجہد کی تاریخ کو آنے والی نسلوں کے دل و دماغ میں راسخ کرتی ہیں، اپنی کمزوریوں سے سبق سیکھتی ہیں اور اپنے اسلاف کے عزم و استقلال کے مظاہروں کو اپنے لیے راہ عمل قرار دیتی ہیں۔ انگریز ہمارا دشمن تھا، اس نے ہماری جغرافیائی حیثیت میں بھی تبدیلی پیدا کر دی تھی اور بزرگم خود ہمارا مالک و مختار بن بیٹھا تھا۔ ظاہر ہے وہ ہماری تاریخ کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکتا۔ یہ ذمے داری ہماری ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو محفوظ کریں، اس کے روشن اوراق کو مشعل راہ بنائیں اور اگر کہیں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے، تو آئندہ کے لیے اس سے احتراز کرنے کی روش اپنائیں۔ ہمیں چاہیے کہ جن لوگوں نے جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء میں یا دوسرے موقعوں پر اسلامی شخص اور آزادی کے حصول کے لیے قربانیاں دیں۔ انگریزی اقتدار کے خلاف علم جدوجہد بلند کیا۔ ان کی یاد کو حرز جاں بنائیں، لیکن اگر ہم میں سے کچھ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ان کے ہاتھ میں قلم ہے، وہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں ان کے پاس ذرائع ابلاغ ہیں، وہ جو چاہیں چھاپ سکتے ہیں، انہیں وسائل میسر ہیں، وہ ان کے بل پر تاریخ بنا سکتے ہیں، تو یہ بات کسی طرح ہماری زندگی کے لیے ہم قائل سے کم نہیں ہے۔ جو قوم اپنے ہیروؤں کو بھول جاتے یا قوم و ملک کے نئے محسن و منبع کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی حیات و بقا کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

انگریز نے ٹھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے آزمودہ حربے کو استعمال میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے مسلمہ معتقدات کے خلاف تقویۃ الایمان لکھوائی، اس مقصد کے لیے توحید کے نام پر رسالتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کو کمزور کیا گیا۔ دوسرے ہیئت سے لوگوں کے علا و مولوی اسماعیل دہلوی کی ان کوششوں کا مولانا فضل حق خیر آبادی نے جواب دیا۔ مسلمانوں کے دل و طبیعت بن گئے، ایک نئے اسلام

کے اجتماعی مفاد میں کام کیا۔ جنگ آزادی ۱۷۷۵ء میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دکنے جیسے
 نے لوگوں کو دین کی اصل سے ہٹانا پناہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو کم کر کے اسلام کے لیے
 قربانیاں دینے کا جذبہ خیر فہم کر دینے کی سازش کی۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے مابین لڑائی ہوئی
 اور آج تک ان کے متبعین اجتماعی قومی مفادات کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ جب انگریزوں نے
 ہم سے حکومت چھین لی تھی۔ ہماری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ جب وقت کی اہم ترین ضرورت انگریزوں
 سے جنگ کے لیے اپنی مبالغہ انگشتہ کی بازیابی تھی۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان نے انگریزوں کے اہلکار
 سیکھتوں اور ایسے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جو ان کے معتقدات کو خلاف اسلام سمجھتے تھے اور
 اپنے دشمن کو کسی غیر کی غلامی میں ختم کر دینے کے خلاف تھے۔ ۱۷۷۵ء میں جب قوم جنگ آزادی لڑ
 رہی تھی۔ تحریک مجاہدین کے باقیات متعارف پر رہے یا انگریزوں کی خوشامد میں گئے تھے اور ان کی
 دی ہوئی سندیں اپنے سینوں پر بجا کر افتخار و ابہتاج کی محفلیں منعقد کرتے رہے۔ جب جنگ آزادی
 کے اثرات مابعد کے طور پر علماء راجہ جان و مال اور آبرو کی قربانیاں دے رہے تھے۔ وہ اپنی اپنی
 کتابوں کو انگریز گورنروں کے نام معنون کر رہے تھے اور قرآن و حدیث اور توحید کا نام لے کر
 انگریزوں کے خلاف کیے جانے والے جہاد کی مخالفت میں کتابیں لکھ رہے تھے۔

پھر قلم ان مجاہدین کے متبعین کے ہاتھ میں آ گیا تو انہوں نے تاریخ تصنیف کرنا شروع
 کر دی۔ جنگ آزادی کے مجاہدین اور شہداء کے خلاف کہانیاں گھڑیں اور انگریز کے جاسوسوں کو ان
 کا دشمن اور جنگ آزادی کا شہید و شہادت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس مقصد کے لیے
 تاریخی ماخذ کی انہوں نے تقلید کی یا ان سے صرف نظر کرنا پناہ اور من گھڑت کہانیوں کی نئی لہر سے یاد تشریح کی
 خدا کی شان کہ آزر غلیل کہلا میں

دلوں میں اپنے بساتے بھنے صنم خانے

زیر نظر مضمون میں ان دو دینی حریفوں کے سیاسی کردار کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے
 امتناع انگیز اور دیگر مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف لکھا۔ اسماعیل دہلوی نے ایک

ایسے دین کی تردید کی جہاں اعلان کے عقائد کے خلاف اور قرآن و سنت کے واضح احکام سے متصادم مستندات پر مبنی تھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے قرآن و سنت کی رو سے ان کو خلافِ اسلام ثابت کیا اور ان کفریہ عبارات کی تنفیط کی۔ پاکستان کے مشہور نقاد محمد حسن عسکری، اسماعیل صاحب کی کتاب اور اس کی تردید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”یوں تو حوالی کے زمانے سے بہت پہلے تقویۃ الایمان شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول کی عزت صرف اتنی کرنی چاہیے جتنی بڑے بھائی کی۔“

(ستارہ یاباد بان، ص ۳۰۳۔ از محمد حسن عسکری)

اسمعیل دہلوی کے پیروؤں نے دینی محاذ پر اپنی شکست کو تو عملی طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ اب یہ لوگ ”تقویۃ الایمان“ کا کم سے کم ذکر کرتے ہیں، برسرِ نام حضور کو مکرملی میں مل جانے والا کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے اور اسی طرح یہ لکھتے اور کہتے نہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیظ دوسرا پیدا ہو سکتا ہے۔ اب انہوں نے اسمعیل دہلوی، سید احمد بریلوی اور ان کے ساتھی مجاہدوں کے جہاد کا رخ بسکھوں اور مسلمانوں سے موڑ کر انگریزوں کی طرف کر دیا ہے اور انہیں انگریزوں کے دشمن اور آزادی کے عظیم رہنما ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑکا رہے ہیں اور مناسبت لکھ رہے ہیں۔ نیز علامہ فضل حق خیر آبادی سے دینی محاذ پر شکست کھانے کے بعد ان کے سیاسی کردار پر پردہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔

آکے پتھر تو مرے سخن میں دو چار گرے

جتنے اس پیر کے پھل تھے پس دیوار گرے

چونکہ انہوں نے صرف یہ طے کیا ہوا ہے کہ فضل حق سے جنگ آزادی کی زمام چھینی ہے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی تو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے محض انگریزوں کے خلاف فتویٰ ناکھا کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا، کوئی اور قابلِ قدر خدمت انجام نہیں دی، کوئی یہ کہتا ہے کہ فتویٰ تو

انہوں نے دیا ہی نہیں اور فضل حق شاہجہانپوری کے بجائے غلطی سے انہیں پکڑ کر کالا پانی کی سزا دی گئی تھی، جہاں وہ شہید ہو گئے تھے۔
 ان تاریخ سازوں میں سے کچھ تو جنگ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے فضل حق خیر آبادی کا نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے۔ بھی: امتناع النظر کے مسئلے میں فضل حق خیر آبادی کو آپ نے گالیاں دیں، وہی کافی تھیں کہ سیاست میں ان کے مہتاب ذکر و ارکود ہند لانے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔

بہتان تراشی کی ضرورت نہیں لوگو!
 دینے کو سزا جرم محبت ہی بہت ہے
 مشہور ادیب و نقاد نام سیتا پوری لکھتے ہیں،

”انگریز اور ان کے ہوا خواہ تو مولانا (فضل حق خیر آبادی) سے اس لیے ہمارے متعلقہ کہ انقلاب سن ستاون کے سلسلے میں کسی نہ کسی نہج سے ان کا نام آگیا، لیکن خود مسلمانوں کا ایک پروپیگنڈسٹ گروپ ”مولانا سے اس لیے بیزار تھا کہ وہ ان کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا، لیکن ہوا کچھ ایسا ہی۔“

”غالب نام آور“ ص ۱۰۱

از نام سیتا پوری

مزید لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مولانا فضل حق (خیر آبادی) کے کئی سیرت نگاروں نے من گھڑت، جھوٹی اور بے سروپا حکایتیں بیان کر کے مولانا کے نیک کردار کو خواہ مخواہ شبک کرنے کی کوشش کی ہے۔“
 غالب نام آور ص ۱۰۹

اس سلسلے میں تادم سیتا پوری نے مفتی انظام اللہ شہابی کے بارے میں لکھا ہے :
 ”جھوٹی روایات، من گھڑت واقعات اور فرضی کتابوں کے غلط حوالے
 مفتی صاحب کی ادبی زندگی کا شاندار کا زہر رہا ہے۔“ (ص ۱۰۹)
 پھر انہوں نے مفتی صاحب کے علامہ فضل حق پر کئی اعتراضات کے مسکت جوابات دیے ہیں۔
 ہم علامہ فضل حق اور اسماعیل دہلوی کے تقابلی جائزے کے لیے ان دونوں شخصیتوں کے
 سیاسی کردار کو سامنے لائیں گے اور بتائیں گے کہ انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے کے لیے
 کس نے کیا کیا ہے، اور انگریزوں کا اقتدار اس سرزمین پر مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے کون کس طرح
 سرگرم کار رہا اور کس نے انگریزوں کے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہونے کو اپنی زندگی کا مطمح نظر قرار دیا اور
 انشاء اللہ العزیز کوئی بات بے دلیل اور بلا جواز نہیں کہی جائے گی۔ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی صاحبان
 کے بارے میں انہی حضرات کی کتابوں اور مضامین کے حوالے دیے جا رہے ہیں، جن کے یہ مدّرج ہیں
 قارئین کرام تلاکُش حق کے جذبے سے ان سطور کو پڑھیں۔
 تو میندار کہ ایں قصہ زخود می گویم
 گوش ز نزدیک لبم آ کہ آوانے بہت

اس مقالے کے مطالعے سے قارئین کرام پر واضح ہو گا کہ جہاں فضل حق خیر آبادی
 انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں اس کی سزا بھگتتے ہیں وہاں
 اسماعیل دہلوی اور ان کے پیروم رشید سید احمد بریلوی انگریزوں کی دھتوں میں اڑتے ہیں ان کی عملداری
 میں اطمینان سے زندگی گزارنے پر شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کے ایما پر سکھوں سے جہاد کو نصب العین
 ٹھہراتے ہیں۔ ایسے میں برصغیر کی آزادی کی تاریخ میں جب یہ لوگ اپنے ان مجاہدین کا ذکر کرتے
 ہیں تو ہنسی آتی ہے۔

مثال ایسی ہے اس دورِ غر کے ہوشمندوں کی
 نہ ہوا من میں ذرہ اور حیرانام ہو جاتے

علامہ فضل چوہدری کے مقابلے میں اسماعیل دہلوی کے بارے میں خواجہ احمد علی

کا نام، جانا پہچانا ہے۔ یہ سب اس زمانے کے لوگوں کو معلوم ہے کہ تحریک مجاہدین کے عقل کل اگرچہ اسماعیل دہلوی ہی تھے، مگر ظاہری سربراہ سید محمد بریلوی تھے اور تحریک مجاہدین کے نام سے جو کچھ اس برصغیر میں کیا گیا اس میں ان دونوں کی حیثیت لازم و ملزوم کی ہے، جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مگر حقیقت میں اسے نبی بنانے والے کا نام حکیم نور الدین مجبوری تھا۔ مرزا صاحب کا مبلغ علم تو سب لوگوں پر عیاں ہے۔ اسی طرح سید احمد صاحب اپنے آپ کو مامور من اللہ کہا ہے۔ بقول ان کے ان پر الہام بھی جوتا تھا، انہیں خدا نے فتح و نصرت کی بشارت بھی دی تھی۔

مکتوب ۶ بنام خان خانان علی گاہی:

اُس فقیر کو بار بار دروغ غیب سے وار دہونے والی روحانی باتوں اور بتانی الہام کے ذریعے جہاد کے نافذ کرنے اور کفر و فساد کے دفعیہ کے لیے صاف اور صریح اشاروں کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور فتح و کامیابی کی کئی بشارتوں کی خبر دی گئی ہے اور چونکہ الہامی مدد سے اس بادشاہ حقیقی کے کلام کے مطابق موا کرتے ہیں اس لیے ان کو ضرور مان لینا چاہیے اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ (مکتوبات سید احمد شہید) (مرتبہ جعفر خٹاوی ص ۵۰، مترجم سخاوت مرزا، ص ۵۰) مولوی اسحاق گورکھپوری سے روایت ہے کہ سید صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھ کو غیب سے الہام ہوا تھا کہ تیرا نسب صحیح ہے۔ (مقدمہ حیات سید احمد شہید از محمد یوب قادری ص ۱۸)

یوں انہوں نے الہام کا اعلان تو کیا، لیکن اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ وہ نبوت کا باقاعدہ دعویٰ کر سکے۔ درحقیقت یہ غلام احمد قادیانی کے بجائے سید احمد بریلوی اور ان کے متبعین کا نبی اور پیروان نبی کی حیثیت سے بظلال کر رہے ہوتے۔ ان دونوں (مرزا غلام احمد اور سید احمد) میں یہ قدر مشترک بھی تھی کہ دونوں پڑھنے لکھنے میں گندہ زن واقع ہوئے تھے۔

”بزرگ سید احمد بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے بڑے درجے کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سوچے سمجھی کچھ آئے جاتے گا نہیں۔“

”حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۲۷۱

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے اور اپنے ان پڑھ پیر و مرشد کی جہالت کو (نعوذ باللہ) محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت بھی قرار دے۔

”آپ (سید احمد صاحب) کی ذات والا صفات ابتداء فطرت سے جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی، اس لیے آپ کی لوح فطرت علوم رسمہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے نشمنوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔“

صراطِ مستقیم از اسماعیل دہلوی ص ۲، مطبوعہ مطبع احمدی لاہور

اسی کتاب کے صفحہ ۳ پر صدیقیت کی آڑ میں دعویٰ نبوت کیا گیا ہے۔ اس پر بھی انہیں

”علمائے کی قیادت اور زمانے کی سیادت کا دعویٰ تھا۔“

پھر سید احمد صاحب کے سب سے بڑے نام لیوا محمد جعفر خٹا میسری اپنی کتاب

”سوانح احمدی“ میں بیان خلفاء حضرت سید احمد صاحب میں رقم فرماتے ہیں،

”اول اور افضل سارے خلیفوں کے مولوی عبدالحی صاحب داما حضرت

مولانا شاہ عبدالعزیز کے ہیں۔ دوم مولوی مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید یہ دونوں

بزرگ مجتہد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے آپ کے یارِ خاں

اور جانِ نثار تھے۔“ (سوانح احمدی از محمد جعفر خٹا میسری، ص ۱۴۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے، مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی بالکل اسی طرح اپنے

ساتھیوں کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ کا اپنی بیوی کو

امام مہدیینؑ کہا۔ ان کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ برحق کے مقابلے پر

اسی طرح ایک بنیادین کمٹر کرتے ہیں جس طرح سید احمد کی اٹھان ہے۔ انہی لوگوں نے کہا
 "اگر حضور جیسے اور نبی آجائیں تو بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔" شاید یہ مصلحتوں
 نے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کی کہ کیا یہ سب کچھ نئے نئے نبی پیدا کرنے کی خواہش
 کا اثر تو نہیں ہے؟

مصلحت نیست کہ از پرده برآید افتد راز

ورنہ در محفل رندان خبر نیت گرفت

میں کہتا تو یہ چاہتا ہوں کہ چونکہ تھانوی سہری صاحب کے بقول سید احمد اور اسماعیل دہلوی
 میں (نوعذ باللہ) محمد و عمر کا تعلق ہے اس لیے مجھے معاف کیا جائے۔ اگر اسماعیل صاحب کے
 ذکر میں نگزیر اور پر سید احمد صاحب کا ذکر آجائے۔

میں نے جن دوستوں سے اپنے اس مضمون کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ معاندین حق کے قلم کاروں کی تعداد
 زیادہ ہے، ان کے ہاتھ میں قلم ہے ذرائع ابلاغ پر ان کا کنٹرول ہے، ان کے اپنے بہت سے رسالے ہیں،
 وہ سب تم پر چل پڑیں گے مگر میں حق کہنے کی آرزو کا گلا نہیں دبا سکا جو شخص جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس
 پر کوئی قدر نہیں اور وسائل کی کثرت اگر گنجت بھی کرے گی تو چشم مار و شن و دل ماشاء اللہ مجھے پران
 اسماعیل دہلوی سے اس بات کی توقع نہیں کہ وہ حقیقت کو قبول کر لیں گے اس خیال است محال است بنوں
 ۱۰ اس وقت میں قدروں کے نشان دھوٹا ہوا ہے ہیں

پیڑوں سے جہاں چمن کے فنیاء تک نہیں آتی

وہ تو حقائق سے واقف ہیں، جان بوجھ کر انہیں بند کر لیتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں میں محول جذبہ نکال
 چاہتے ہیں، مگر ظالمان حق اس امر کی طرف منور توجہ دیں کہ میں حوالے انہی لوگوں کی تصانیف نقل کر رہا
 ہوں، اب ان کی باتیں دہرانے پر بھی ہمت طعن تشنیع بنایا جاتا ہے تو سر تسلیم خم ہے جو عزائم یا میں آتے

۱۱ اور دنیا سے بھلائی کا مسئلہ کیا ملتا

آئینہ میں نے دکھا یا تھا کہ پتھر برے

جنگِ آزادی

اور

فضلِ حق خیر آبادی

صاحبِ علم و فضل

دیکھتے کیوں ہو شکستِ اتنی بندی کی طرف
نہ اٹھایا کر دوسر کو کہ یہ دستار گرے

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دینی مسائل پر گفتگو کرنا میرے دائرہ کار سے باہر ہے۔ میں زیر نظر مقالے میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی سیاسی سرگرمیوں کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں، اس لیے علمی مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ بتاتا ہوں کہ مشہور اہل علم و دانش حضرات کے علاوہ علامہ فضل حق کے مخالف بھی ان کے علم و فضل کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟

”انقلاب سن سناون سے پہلے دہلی کی ادبی فضا جن عناصر رابعہ سے ترتیب

پا رہی تھی، وہ یہی چار ہستیاں تھیں، مولانا خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزاد،

مرزا غالب اور حکیم مومن۔“ (غالب نام آدم ص ۸۱)

نادیم سیتا پوری

سر سید احمد خان علامہ فضل حق سے دینی اور سیاسی ہر دو لحاظ سے مختلف رائے اور عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن علامہ فرماتے ہیں کہ ان کے دل و دماغ پر علامہ کی دانش و حکمت کے اثرات کتنے گہرے ہیں؛

”جمیع علوم و فنون میں کتناے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہی کی فکر عالی نے بند ڈال ہے۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو لیگائے فن سمجھتے تھے۔ جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعویٰ کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے۔ بایں ہمہ کمالات علم و ادب میں ایسا علم تفرزائی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی شمشیر مختصر عروج معارج ہے اور

بلوغت کے واسطے ان کی طبع رسا و مست آویز بلند ہی معارج ہے۔ سبحان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امرار القیس کو ان کے افکار بلند سے دستگاہ عروج معانی، الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گو ہر خوش آب اور معانی رنگیں ان کے غیرتِ لعل ناب، سرواُن کی سطورِ عبارت کے آگے پایہ گل، اور گل ان کی عبارتِ رنگیں کے سامنے نخل، زگس اگر ان کے سوا دوسے نگاہ ملا دیتی، مصحفِ گل کے پڑھنے سے عاجز نہ رہتی اور سوسن اگر ان کی عبارتِ فصیح سے زبان کو آشنا کرتی، صفتِ گویائی سے عاری نہ ہوتی۔

(آثار القنادید از سر سید احمد خاں، ص ۲۸۱)

مولوی رحمان علی علامہ فضل حق کے معاصر تھے، وہ منطق، فلسفہ، حکمت، ادب، کلام اور اصول اور شاعری میں فضل حق کے تخصص اور امتیاز کے متعلق بتاتے ہوئے عرصہء طویل جنگِ آزادی میں ان کے کردار اور اس کے نتیجے میں ان کی قید اور شہادت کا ذکر کرتے ہیں،

”وہ علومِ منطقی و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضار سے فوق البیان داشت، نقوش زاہد پر چہار سزار اشعار خواہد بود۔۔۔ انگریزان اور ابر زمانہ فسادِ ہند قید کردہ بہ جزیرہ رنگون فرستادند ہم در ان جا بتاریخ دوازدهم صفر سال دوازده صد و ہفتاد و ہشت ہجری وفات یافتہ“

(تذکرہ علمائے ہند، از مولوی رحمان علی)

(مطبوعہ نوکشتہ لکھنؤ، ۱۹۱۹ء، ص ۱۶۴ / اردو ترجمہ پاکستان پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۸۲)

”آبِ حیات“ از محمد حسین آزاد ص ۵۱۲ / اور یادگار غالب ص ۱۰۲ میں ہے،

”مولانا فضل حق اور مرزا خانی نے دیوانِ غالب سے مشکل اشعار خارج کر دیئے اور ڈبلٹ کے قریب حصہ نکال دیا اور ان کی تنہائی سے غالب نے اس روش پر چلنا ترک کر دیا۔“

اسد اللہ خاں غالب پر مولانا فضل حق کے اثرات کا ذکر دوسری کئی کتابوں میں بھی تو اس قدر مسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے، مثلاً،

”اگر مولوی فضل حق اور ان کے رفقاء کی صحبت کا فقط اتنا ہی اثر ہوتا کہ وہ (غالب) شاعری میں اپنی غلط روش کو چھوڑ کر ایک مستدل راہ پر آجائے، تو یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں تھی، مگر اس سے بھی زیادہ قابل قدر کام غالب کی اخلاقی اصلاح کا ہوا۔“
(ذکر غالب، از مالک رام، ص ۴۳)

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں:

”مولوی فضل حق، غالب کے سب سے بڑے محب اور محسن تھے، انہوں نے نہ صرف مرزا کی شعرو سخن کے میدان میں رہنمائی کی، جو ان کا اصل دائرہ عمل تھا، بلکہ ان کی مالی مشکلات دور کرنے کی بھی کوشش کی۔“

(”غالب نامہ“ از شیخ محمد اکرام، ص ۵۴)

(بحوالہ غالب کے کلام میں الحاق عناصر از نادم سہیتا پوری ص ۲۹، ۲۸)

”جن دم مرزا غالب کی نظر میں بڑے بڑے شعرا ملے، انہیں نہ جانتے تھے، مولانا (غیر آبادی) کی بڑی تعلیم اور عزت کرتے تھے، چنانچہ جب وہ دہلی سے سرشتہ داری لے کر چھوڑ کر جانے لگے، تو مرزا نے آئینہ سکندری میں اشاعت کے لیے ایک تحریر بھیجی، جس کا آخری جملہ یہ ہے: ”حقاً کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و پیش مولوی فضل حق ان مایہ بکا ہند کہ از صدیک داماد و باز آں پایہ را بر سرشتہ داری عدالت دیوانی سخند ہنوزیں حمیدہ دول مرتبہ و لے خواہد بود۔“

(مرکز دست غالب، از ڈاکٹر محی الدین قادری قزو، ص ۵۹)

(غالب نے) انہی کی نسبت یوسف مرزا کے نام ایک خط میں لکھا، مولانا کا سال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ مجھ سے تم معلوم کرو، مرا فعد میں حکم دو، جس بحال رہا۔

بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے شور (کالاپانی) کی طرف روانہ کرو۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں منشی داد خاں ستیاج کو لکھتے ہیں: ہاں خان صاحب! آپ جو کھلتے پیچھے اور سب صاحبوں سے ملے، تو مولوی فضل حق کا سال اچھی طرح سے دریافت کر کے مجھے کو لکھو کہ اس نے لمبی کیوں نہ پائی اور دہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے؟ (غالب نامہ از شیخ محمد اکرام ص ۴۱، ۴۲ء)

مرزا غالب مولانا خیر آبادی کے اڑتھال پر شیخ لطف احمد بگڑامی کو لکھتے ہیں: کیا لکھتوں اور کہوں، نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور ہاتھ میں رختہ طاری ہے، کان سماعت سے عاری ہے؟

عناپ عرصہاں درآمد بچو کش

سراجی تہی گشت وساقی غموش

فخریجا بدو نکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرحمت، غالب نیم مردہ، نیم جاں رہ جاتے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی

موت آتی ہے، پر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی

(ماہنامہ اردوئے معنی علی گڑھ، دسمبر ۱۹۰۷ء، ص ۳۲)

جب تک اہل قلم کے ذہن و احساس پر محدود حزبی مفادات نے لیغارتہ کی تھی اور اس کے لیے انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنے کا عمل شروع نہیں کیا تھا۔ اہل دانش کے قلم اور زبان سے اس جید عالم اور بے مثل دبے نظیر فاضل شخصیت کے حق میں لکھا اور کہا جاتا رہا: مولوی محمد الدین روضۃ الادباءؒ میں لکھتے ہیں،

”مولوی فضل حق بن مولوی فضل امام خیر آبادی عالم اہل اور فاضل بچل
 حاوی فروع و اصول و جامع معقول و منقول تھے۔۔۔۔۔ اساتذہ وقت آپ کی
 شاگردی فرما رہے تھے۔۔۔۔۔ مولانا کو علم فلسفہ اور ادب میں یدِ طولیٰ تھا۔۔
 دہلی میں آپ عہدہ جلیلہ اور منصبِ عظیم پر تقرر تھے اور سرکارِ انگلشیہ کی قید
 میں جزیرہ انڈیمان میں جس کو کالا پانی کہتے ہیں جا کر ستمبر ۱۷۷۹ء میں فوت ہو گئے۔“

(روستہ الادب، ص ۱۴۸)

پاکستان کے نامور محقق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور سندھ پاک کے عظیم نقاد و دانشور
 ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی سرکردگی اور نگرانی میں پنجاب یونیورسٹی کے عظیم منصبیہ اُردو دائرۃ
 معارفِ اسلامیہ میں مولانا فضل حق کے متعلق بڑی انصاری نے لکھا ہے :
 ”۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی فضل حق نے اس بغاوت
 میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی۔“

(اُردو دائرۃ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۵، ص ۲۷۵)

سید سلیمان ندوی نے علامہ کے فضل و شرف کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے
 ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ ان کے سیاسی کردار کی عظمت کے نقوش کتنے گہرے ہیں :
 ”مرحوم (مولانا فضل امام) کے بالشتین صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق
 صاحب خیر آبادی تھے جن کے دم عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ ابنِ سینا
 وقت مشہور ہوئے۔ دیباہِ اطراف سے طلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ
 کو نئے طور سے ملک میں رائج دیا۔ صدر کے ہنگامہ میں گرفتار ہو کر جزیرہ انڈیمان
 بھیجے گئے اور وہیں ستمبر ۱۷۷۹ء میں وفات پائی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے تلامذہ
 اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر علومِ معقول کو بڑی رونق دی اور بڑے
 بالکمال مدرس ثابت ہوئے۔“ (حیاتِ شبلی از سید سلیمان ندوی، ص ۲۲، ۲۳)

اپنے عہد کے اس عظیم صاحبِ علم و دانش کے فضل و ہنر کے ساتھ ان کی سیاسی خدمات کے متعلق محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں :

”علامہ فضل حق نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف جنتِ جہنم
 لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیئے گئے جہاں اس فاضلِ اہل
 عالم بے بدل نے نہایت کمپرسی بے بسی اور لہجاری کی حالت میں ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء
 کو انتقال کیا اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔
 (حاشیہ مولانا مخدوم مولوی فضل حق، مقالاتِ مرسیہ، حصہ شانزدہم ص ۳۳۰)

منشی محمد اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی کو بھی جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں
 کالے پانی کی سزا ہوئی تھی۔ بعضی انتظامِ اقدارِ سہابی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں :

”انڈمان میں زیادہ وقت مولانا فضل حق کی صحبت میں گزرتا تھا، چنانچہ
 آپ کے متعلق ایک قصیدہ میں کہتے ہیں :-

رُشکِ زلفِ بجا ہوئی بحرِ صفتِ جوشِ نازِ عرقِ ہوائیل میں یوسفِ گلِ پیرِ بہمن
 مخزنِ فضل و کمال، عالمِ عالی مقامِ ناقہِ تازی زبان، فیضِ شناسِ سخن
 مولوی بے نظیرِ فضل حق اکرمِ شریفِ دہلی سے تاکھنوشِ شہر و موتمن
 قید میں ہیں اور وہ بہتے تھے ایک ہی جگہ عینِ سمندر میں تھے عرقہِ بحرِ ممن

نصفِ قصیدہ کی ہے سلسلے ان کے رقم
 ختم ہوا جب تھے وہ ہمدِ گور و کفن

(غدر کے چند علماء، ص ۷۶، ۷۷)



انگریزوں کے خلاف

فتوائے جہاد

کرسنے اپنے دل کے لہو سے لالہ و گل میں رنگ بھرا
جن کو دعویٰ ہو گلشن پریم سے آنکھیں جا کریں

آج کچھ لوگوں نے تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے اور جنگ آزادی کے مسٹر رہنماؤں کے خلاف فضا پیدا کرنے کی کوشش میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ علامہ فضل حق خیر آبادی نے نہیں دیا تھا۔ مالک رام کہتے ہیں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پر علامہ کے دستخط نہیں تھے۔ محمد ایوب قادری بھی اپنا سا راژور تحقیق اسی پر صرف کرتے ہیں۔ ان کے اس مفروضے کی تردید میں حکیم محمود احمد برکاتی نے فضل حق اور سن ستاون میں مسکت لائل برائین سے اس کے تار پود بکھیرے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت جابا کہ فضل حق خیر آبادی کی قربانیوں پر اپنی مصلحتوں اور مخالفتوں کے پردے ڈالیں، مگر ان کے کردار کی پختگی عزم کی سلامتی اور استقلال و ہمت کی جزئیات پر نظر ڈالیں، تو یقین آتا ہے کہ

آکے گرا تھا ایک پرندہ لہو میں تر

تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

میں آپ کو صرف علامہ کے فتوے کی مدائے بازگشت سنا آموں !
 "علماء نے جس جس طرح بغاوت کو منظم کیا اس کو مفصل بیان کرنے کے لیے تو ایک عظیمہ کتاب کی ضرورت ہے، مگر ان کا کچھ تذکرہ ان صفحات پر کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے بڑے بڑے مورخ بھی انکار کی ہرأت نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ علماء عوام میں نہ مد مقبول تھے۔ ان کی تحریر و تقریر کا بڑا اثر ہوتا تھا، چنانچہ

دہلی میں جنرل بہت خان کی تحریک پر مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علماء نے جو جہاد کا فتویٰ دیا، اس کے بارے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے بھی اپنی تاریخ میں اقرار کیا ہے کہ اس سے مذہبی جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا۔
(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از نور شید مصطفیٰ رضوی ص ۵۵)

غلام رسول مہر یہ بات غلط ثابت کرنے کے زعم میں کہ مولانا فضل حق ہی کے دم سے جنگ آزادی کی تحریک میں بنان چکے تھے، یہ معمول گئے کہ وہ فتویٰ کی تائید کر کے اپنوں کی نگاہوں میں بھی مٹھون مہر بن گئے۔ انھیں دہلوی کے یہ مذاق مہر حال کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ فتویٰ کے سلسلے میں فضل حق کی کارکردگی سب سے نمایاں ہے اور وہ نہ ہوتے تو اس فتویٰ کا وجود ہی نہ ہوتا۔

”مولانا فضل حق خیر آبادی کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے، تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علماء دہلی کے دستخط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علماء کے نام تجویز کیے، جن پر دستخط لیے گئے۔“

(مستندہ کے مجاہد، از غلام رسول مہر، ص ۲۰۶)

پاکستان کے نامور شاعر ناصر کاظمی اور مشہور کالم نویس انتظار حسین کی اہوارت میں شائع ہونے والے مجلہ خیال کے سن ستاون نمبر میں شکور احسن صاحب مفتی صدر الدین آذرہ پرمضمون لکھتے ہوئے علامہ کے فتویٰ جہاد کا ذکر کرتے ہیں:

”جب برطانوی استعمار کے خلاف ۱۸۵۷ء کا جنگی شہر شروع ہوا تو بعض شاعروں ادیبوں اور عالموں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور انگریزی حکومت کا اقتدار بجالا دیا۔ بعد ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ مولانا فضل حق کو جہاد

کا فتویٰ صادر کرنے کے جرم میں انڈیمان بھیجا گیا۔ مہبائی کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا، شیعہ کو قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

(خیال لاہور، سن ستاون نمبر، ص ۲۶۸)

مفتی صدر الدین آندھہ ہی کے بیان میں مفتی اعظم ام الشہابی فتویٰ جہاد کی تیاری کی ساری ذمہ داری مولانا فضل حق پر ڈالتے ہیں،

”ہنگامہ عشتہاء میں رونما ہوا، مولانا فضل حق انور سے دلی آئے۔ جنرل بخت خان نے نقشہ اقتدار جہاد کھاتھا۔ استفادہ مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔۔۔۔۔ مولانا فضل حق کو اقرار جرم پر انڈمان جانا پڑا۔“
(تذکرہ چند علماء از اعظم الشہابی، ص ۴۸)

رئیس احمد جعفری تمام عمر آزادی کی تحریک کی جہاد کی کشتیاں تھپے، وہ اپنی مخیم کتاب ”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد“ میں لکھتے ہیں،

”مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈمان بھیج دیا گیا۔“

(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری، ص ۳۱۵)

جب بھی کوئی مؤرخ تاثرات و تعصبات سے قطع نظر کرے، ۱۸۵۷ء کا حال لکھے گا، تو مجبور ہوگا کہ علامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کا ذکر کرے۔ محمد اسماعیل پانی پتی اپنے مضمون ۱۸۵۷ء میں علماء کرام کا حشر میں فضل حق کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ عظیم دہلی میں رونما ہوا، تو علامہ فضل حق خیر آبادی،

فروادہلی پہنچے اور جہاد کا فتویٰ دیا۔ جنرل بخت خان کا انڈمان چھین افواج ظفر سے ملے اور اس کی بڑی اعانت اور امداد کی۔۔۔۔۔ لکھنؤ میں ان پر مقدمہ قائم ہوا، نہایت میاں اور صفائی کے ساتھ بغیر ذرہ جھجکچکا بٹ اور تذبذب کے اقرار کیا کہ ہاں

میں نے فتویٰ لکھا اور اس پر دستخط کیے اور جو کچھ میں نے کیا، اپنے خیال میں ٹھیک کیا۔ (ذیل و نہار لاہور۔ جنگ آزادی نمبر ۷، ۱۸۵ء، ص ۱۲۸)

پاکستان کے مشہور جریدہ تحقیق الزمیر کے تحریک آزادی نمبر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

مولانا فضل حق نے جامع مسجد میں فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ علماء سے دستخط کر لئے، اس فتوے کی اشاعت سے جدوجہد آزادی میں زور پیدا ہوا اور آخر میں مقدمہ کے موقع پر علامہ فضل حق نے اس بات پر اصرار کیا کہ یہ فتویٰ انہوں نے لکھا ہے اور اب تک اپنی رشتے تبدیل نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

”مولانا فضل حق نے ایک دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پڑھ کر سنایا، تو بہتوں کے لیے باعث تشویش بنا۔ اس فتویٰ پر مفتی صدر الدین آزادہ اور دوسرے پانچ علماء کے دستخط تھے، اس کا شائع ہونا تھا کہ جدوجہد نے ایک نیا زور پکڑا اور جگہ جگہ انگریزوں کے چھتے چھوٹ گئے.... تاریخ ذکار اللہ کے مطابق اس فتوے کے بعد صرف اہلی میں تو سے ہزار سپاہ جمع ہو گئی.... سرکاری وکیل کے مقابلے میں انہوں نے خود بحث کی اور صبر الزام ایک کر کے رد کر دیئے، لیکن فتوے کے بارے میں آخر تک اڑے رہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری رشتے بھی ہے۔“

(صدا بھی الزمیر بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۷، ۱۹ء، ص ۹۲)

مفتی انصاف اللہ صاحب نے علامہ فضل حق کے خلاف بہت کچھ لکھا جس کاغذ نامہ سپاہ پور جیسے ادیب نے بھی نہایت دھمکے کے ساتھ اظہار کیا ہے اور دلائل کے ساتھ ان کے الزامات کی تردید بھی کی ہے، مگر علامہ کے فتویٰ تہاؤ کے تو وہ بھی منکر نہیں ہوئے۔ اصل میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مقصد ان سب حضرات کا ایک تھا، جو نیک نہیں تھا کہ فضل حق کے خلاف لکھا جائے اسی لیے ان کے خیال و فکر میں مضابطعت نہیں پائی جاتی اور کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی منہ سے سختی

بات کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتی ہے۔ مفتی انتظام اللہ علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں کے صفحہ ۵۶ پر لکھتے ہیں،

”اور بھگت مولوی احمد شاہ مدنی امرہ سے لکھ کر: مولانا فضل حق کپنی کے اقتدار کے خلاف علماء میں سرگرمی عمل پیدا کر رہے تھے۔ مولانا فضل حق بھی ان کے جمنوا ہو گئے اور سرکاری ملازمت ترک کر کے الودہ چلے گئے۔ جمنوا وہاں رونما ہوا۔ دلی آئے، یہاں رشا سے ملے۔ یہاں جنرل بخت خان کے ٹھٹھا جسے ہوئے تھے۔ نصاریٰ کے خلاف جہاد کا فتویٰ مولانا نے دیا اور اس پر مفتی صدر الدین آزاد، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی ذہیر خان اکبر آبادی وغیرہ کے دستخط کرائے گئے۔“

”جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں سرکاری گواہ پیش ہوا، اس نے آپ کو دیکھا کہنے لگا یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا، وہ دوسرے ہیں، آپ فوٹو بول اٹھئے، اپنی اطلاع اس کی تصحیح ہے، اب غلط کہہ رہا ہے۔ مجھ پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ درست ہے۔ میں نے ہی فتویٰ لکھا اور آج بھی میری رائے وہی ہے جج نے جس ورام بہ عبور دیا ہے شور کی سزا جویر کی جو بخند پیشانی قبول نہ کر اٹھتا ہے۔“

یہی مفتی صاحب اپنی دوسری کتاب میں بھی علامہ کے فتویٰ کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں، ”مولانا نے اپنے ادھر کے بقیۃ الزام رد کرنے کے بعد پٹا لکھایا اور کہا جس خبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی اب میں توشیح کرتا ہوں۔ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میرے ہی مشورے سے علماء نے دستخط کیے، پہلے اس گواہ نے سچ پورٹ لکھوائی تھی، مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کر جھوٹ بولا ہے۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے، غلط بات منجیب کے معاش میں نہیں

بول سکتا۔ ڈائٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی اعظم الشہ بابی ص ۵۲،
مکتبہ برہان دہلی کی شائع کردہ کتاب جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون از نور شہید مصطفیٰ

رضوی میں ہے ۱

”کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء قریب آنے پر آپ فضل حق نے انٹروالیاں
ریاست کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اگست ۵۷ء میں دہلی آگئے
اور یہاں جنرل بخت خاں کی تحریک پر جہاد کا فتویٰ مرتب کر کے پیش کیا۔

جس سے مسلمانوں میں بیحد جوش و خروش پیدا ہو گیا۔
لکھنؤ میں مقدمہ چلا جس میں حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مولانا بڑی
جو جاتیں، مگر آپ نے برسرِ عدالت کہہ دیا کہ میں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور
آج بھی میری وہی رائے ہے۔“

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۵۸، ۱۵۷)

عزیزہ فضل حق کی کتاب الثورة الہندیکہ کے اردو ترجمے کے مقدمہ میں شیخ لاہوری
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اورینٹلٹ محمد عبدالشہید خاں شروانی لکھتے ہیں ۱

”اس رسالہ کو دیکھنے سے اس وقت کے خوفناک حالات کا نقشہ سامنے آتا
ہے اور ہمارے اس خوفناک عوام کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی رعایا
کے گلے میں دائمی غلامی اور نصرت کا پتہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور غلام
مجاہدین کا ایسے موقع پر اعلان جہاد کس قدر بروقت اور ضروری تھا۔ مگر خیر آبادی
کا رجب ۱۲۷۵ھ میں باطل قوتوں کے سامنے یا اعلان حق ہمیشہ آپ زور سے لکھا جاتا
رہے گا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری ہی رائے

ہے۔“ (مقدمہ باغی ہندوستان از محمد عبدالشہید خاں شروانی)

مطبوعہ مکتبہ وقت ادبیہ۔ اندرون لوہاری دروازہ لاہور)

جن لوگوں نے بوجہ فضل حق کو عظمت و استقلال کی مندرجہ ذیل سے بٹانے اور ان کے کارناموں کو لوگوں کے دماغوں سے محو کرنے کی خاطر غلامہ فرسائی کی ہے۔۔۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ان کے خیالات میں تطابقی نہیں ہے، لیکن حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ پروفیسر محمد ایوب قادری جو آج کل پاکستان میں غلامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کے سب سے بڑے دشمن ہیں، وہ بھی اپنی ایک کتاب میں ان کے فتوے کو تسلیم کرتے ہیں، بعد میں شاید کسی خاص وجہ سے انہوں نے حق کی راہ پر چلنے کی رکوش پرنظر ثانی کر لی اور اب دوبارہ حق کو قبول کرنے کی راہ میں وقت کی ضرورت "یا ان کی انا جائی ہے"۔

اے کہ می گوئی کہ می آسم، یعنی آئی چسرا

پائے شوق را مگر نگہ حیا زنجیر پاست

"دہلی میں ہواڑہ غفر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مولانا فضل حق فیروز آبادی نیز دوسرے علماء دہلی میں موجود تھے۔۔۔۔۔ جنرل بخت خان کے مشورے سے غلامہ فضل حق فیروز آبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت منسروقت پر تقریر کی اور جہاد کا استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتویٰ کی تیاری میں جنرل بخت خان کی کوشش خاص تھی۔" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد دہلوی،

(از محمد ایوب قادری، ص ۲۲، ۲۱)

پاکستان کے مشہور محقق ڈاکٹر ابوالاعلیٰ ممدنی نے جنگ آزادی میں مریدانہ ہمت سے شامہ دیکھنے والوں کو یاد دلایا ہے کہ علامہ فضل حق بے خطر اس آگ میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ سردار بھی اعلان حق سے باز نہ آنے والے غلامہ فضل حق جو قدم اٹھانے چکے تھے اور جو کچھ چکے تھے، اس پر آخر دم تک قائم رہے۔

بات بن سکتی نہیں کوئی صداقت کے بغیر

تیر کی پشت پہ کردار کہاں موتا ہے

ڈاکٹر ابو العلیٰ اپنے مضمون مولانا فضل حق خیر آبادی میں کہتے ہیں :

”مسلمانوں کو عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کے لیے آخری مرتبہ جان کی بازی لگادینے پر آمادہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ فتویٰ جہاد کا جاری کیا گیا جس پر دستخط کرنے والوں میں مفتی سید الدین آزادہ اور مولوی فضل حق بھی شریک تھے۔ مولانا فضل حق نے فتوے کے بعد ہنگامہ دہانہ کیے اور بالآخر وہی پہنچ گئے۔ اس زمانے میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کا اندازہ جیون لال کے روزنامے سے ہوتا ہے جس میں اس نے مختلف تاریخوں میں مولانا کا قلعے کی مجلس مشورت میں شریک ہونا بیان کیا ہے۔ مولانا فضل حق کے مشورے صرف قلعہ محلی کی پوشیدہ مجلسوں تک محدود نہ تھے۔ وہ جیل بخت خاں سے ملے مشورے ہوئے اور آخر میں بعد از جمعہ دلی کی ڈال مسجد میں ملہ کے سامنے تقریر کی اور فتویٰ پیش کیا۔“

(خیال لاہور سن ستاون نمبر ص ۶۴-۶۳)

پاکستان میں دیوبند مکتبہ فکر کے آرگن بخت روزہ قدام الدین لاہور کے ایک مضمون کے

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

”ہر اہم تاریخ کا، اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جاننا، حق کو بہادر اور جامع کائنات شخصیتوں کو دودھ کی مٹھی کی طرح نکال پھینکا جنہوں نے اپنے دور میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکرائی اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا فاضل حق رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جوان مردانہ و زہد مجاہدین میں سے تھے جن کی جرأت و بہمت اور حق گوئی و سبے باکی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایان شان کیا، گوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔۔۔۔۔“

مولانا فضل حق خیر آبادی نے افضل الجہاد کلمۃ حق عیند سلطان جانب کا فریساوا کیا اور اپنی عمر عزیز انڈمان میں حبس و دام کی نذر کر دی۔۔۔۔۔

قربان بائیے، خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے، وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے،
اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد انسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

(نقش حیات از حسین احمد مدنی، ص ۶۲)

حسین احمد مدنی صاحب اپنی دوسری کتاب تحریک ریشمی رومال میں پھر اس شیر حق کی
شان استقلال پر قربان ہو رہے ہیں۔ فضل حق نے صرف فتویٰ ہی نہیں دیا۔ جب ابتلاؤں آزمائش
کی گھڑی آئی مقدمے میں پیش ہوئے، تو اس فتوے پر اصرار کیا اور آزادی کے غاصبوں کے
غلات جنگ کو اس وقت بھی ضروری قرار دیا۔

غریب خیال سے کہاں لوٹ سکیں گی بیڑیاں،

نیکو چمن کے ہر کباب جوش جنوں بھی چاہیے

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے،
اور ہوا، مٹی ٹرہ اور اس کے ہفتہ اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے، آفران
کر گھر سے گرفتار کیا گیا، جس خبر نے ان کو گرفتار کر لیا تھا، اس نے انکار کر دیا کہ مجھے
نہیں، فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کیے ہیں وہ خلیل حق ہیں، کوئی اور نہیں
نہیں، انھوں نے انھیں چاہیے جو ہر گز انھیں کوئی وہ بالکل صحیح تھی
نہیں، انھوں نے انھیں چاہیے جو ہر گز انھیں کوئی وہ بالکل صحیح تھی
شریوں، حاجی، ملا، شاہ، استقلالات، کاشیہ گرج کر کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے

یہ وہی ہے جو ان کی پر لیا، بیسیر، کین، کور، پانی میں نہا، وہ
کا طرح کیے، کئے کے جان، نہیں بچا، کئے کے جان کی طرح ہوا، نہ نہ

سمجھتے ہیں۔ ”دستحر یک رسمی رومال از حسین احمد مدنی، ص ۶۵، ۶۴،
 اور اب آفریں یہ بھی دیکھنے کہ جب علامہ پر مقدمہ چلتا ہے تو کیا ثابت ہوتا ہے۔
 فیصلے کا ایک تحفہ در قارئین ہے۔ علامہ فضل حق کے فتوے ہی کی بنیاد پر مقدمہ ان کے خلاف
 فیصلہ ہوا اور انہیں کالے پانی کی مزا ہوئی، اس فیصلے کے بعد اب بھی یہ کہتا کہ انہوں نے فتویٰ بدل
 پر دستخط نہیں کیے تھے، کیا کہنا ہے گا؟ ع

تم ہی بتلاؤ کہ ہم مبتلائیں کیا

”عدالت دو جہوں پر مشتمل تھی، جارج کیمل جو ڈسٹریکٹ کمشنر اور میجر بارن
 قائم مقام کمشنر خیر آباد ڈسٹرکٹ، اس مشنرک عدالت نے ہر مارجی وٹسہ کو اسے
 فیصلے میں لکھا... بہر حال عدالت کی نظر میں ثابت ہے کہ اس موقع پر غلام نہ
 بلا ضرورت مستعدی دکھاتے ہوئے صراحت سے ایسا فتویٰ دیا جس کا مقصد
 قتل کی ترقیب دینا تھا۔ اس نے قرآن کی آیات پڑھیں اور ان کے من مانے
 معنی کیے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کا فرو مرتد ہیں اور اس سے شریعت
 کے نزدیک ان کی مزا قتل ہے، بلکہ اس نے باغی سردار ستہ یہاں تک کہا کہ
 تم انہیں قتل نہیں کرتے، تو تم خدا کی نظر میں مجرم ہو۔“

(ماہنامہ دستحر یک، دہلی، جون ۱۹۴۷ء)

(بحوالہ غالب نام آدم از نام سیتا پوری ص ۱۱۸، ۱۱۷)



بنگ آزادی

پیں

فضل حق کا عمومی کردار

یہ نخبیت آنچھ می گوئیم، اقل می کنیم
پارہ ہیش است از گفتار ما، کردار ما

علامہ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ جہاد کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ مالک نام اور محمد اقیوب قادری کے اس مفروضے کی مناسبت ہو چکی ہے کہ علامہ نے انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اب آئیے علامہ رسول قہر کی طرف۔ ان کا موقف یہ ہے کہ علامہ فضل حق نے فتویٰ دیا تھا، لیکن صرف فتویٰ ہی دیا تھا، جنگ آزادی کے کسی مرحلے پر اور کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

غالباً یہی فتویٰ تھا جو انجام کار مولانا فضل حق کے خلاف مقدمے کا باعث بنا۔
 دور نہ انہوں نے نہ کسی جنگ میں حصہ لیا نہ ان کے پاس کوئی عہدہ تھا نہ کسی کے قتل میں شرکت کی اور نہ ان کے خلاف کوئی اور سنگین الزام تھا۔
 (۱۸۵۷ء کے مجاہد از علامہ رسول قہر، ص ۲۰۹)

علامہ فضل حق کے مقابلے میں میاں نذیر حسین دہلوی (امجدیث) نے انگریزی حکومت سے دورانِ غزہ حُسن کارکردگی کے قصے اور تعدادِ انعامات حاصل کیے تھے مگر علامہ رسول قہر ان کی خدمت جیلد نہ کی تعریف میں نثر زبان جوتے ہیں۔ اگر حقائق صفحہ قرطاس پر رقم ہوں کہ ان لوگوں نے تاریخِ نبوی کی زمین میں کیا کیا گُل کھدائے ہیں، تو لوگ حیرت سے انشت بدندانِ روحا ہیں۔
 عجب کہ حوصلہ روزگار برتا بہ
 اگر بروں فکرم آسچہ اندروں من مست

رئیس احمد جعفری اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مخالفانہ اور معاونانہ انداز میں
”تاریخ“ لکھنے والوں نے علامہ کے کارناموں کا اختصار ضروری سمجھا ہے،

”مذکورہ سطور میں ہم نے غدر کے جن ہیروؤں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے
صرف بخت خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی دو ایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے
دہلی کے محاربات غدر میں مرکز نشین ہو کر حصہ لیا ہے۔۔۔۔۔ بخت خان اور مولانا
فضل حق کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث، کارناموں اور سرگرمیوں کی تفصیل
معلوم کرنا آسان نہ تھا۔۔۔۔۔ غدر کے بعد غدر کا ذکر بھی کتنا راجح فرماتھا اور ان
شخصیتوں کا تذکرہ جنہوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا، اپنی جان
سے ہتھ دھونا تھا۔۔۔۔۔ ان اکابر کا اقل تو مرتبہ اور منضبط صورت میں کہیں ذکر
نہیں ملتا اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاونانہ انداز میں، ان مشکلات
کے باوجود زیادہ سے زیادہ معتبر اور مستند مواد حاصل کرنے کی اپنے مقدور بہر
ہم نے کوشش کی ہے۔“ (”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد“، ص ۱۳۴) ۷

خونِ دل کو صرف گلشنِ کوہِ مگر یہ سوچ کر

تیرے سر الزامِ تحریکِ خزاں بھی آئے گا

جناب حسین احمد مدنی مولانا فضل حق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ اور ساتھیوں کے بہادر

حزیت میں بڑے ہیروانہ جذبہ حصہ لینے کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ نے جنگ آزادی
میں ہر طرح حصہ لیا، کیونکہ وہ افلاس کے ساتھ یقین رکھتے تھے کہ انگریزوں کی غلامی ہماری
ملی زندگی کے لیے زہرِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے اس کے لیے انہوں نے مقدور مجاہدانہ طریقہ اختیار
کیا اور انگریزوں کو زک پہنچانے کے لیے مختلف عملی اقدام کیے ۷

موجیم کہ آسودگیِ ماعدم ماست

مازندہ ازا نیم کہ آرام نہ گیریم

”مہر حال مسلمان علماء میں سے مولانا احمد شاہ صاحب دلاور پٹک علی
اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور مولوی امام بخش صہبائی..... اور ان
حضرات کے تلامذہ وغیرہ نے جہاد و حریت کے لئے ہمیں بڑے پیار سے پرستہ لیا تھا۔“
”نقش حیات“ ص ۲۴۰، از حسین احمد مدنی
”تحریک آزادی کی مشہور تاریخ نگار سیدہ انیس فاطمہ بریلوی علامہ فضل حق خیر آبادی کو
طبقتہ علماء کا سرگروہ قرار دیتی ہیں۔“

”اس میں جہز بخت جس، فیروز شاہ، نانا راؤ، نواب نجم الحسن خان،
جہز علی، محمد وصال اور علیہم اللہ غار بستہ اور علماء کے سرگروہ مولوی احمد شاہ
مولوی نیامت علی اور مولوی فضل حق خیر آبادی قرار پائے۔“
(”۱۸۵۷ء کے ہیرو“ ص ۷۰)

پروفیسر محمد ایوب قادری اگرچہ ہوسے کی نزدیکی کے خیال سے ان کے ”غری مرتضیٰ پر دہلی
پہنچنے کے قابل میں مگر کائنات میں علامہ کی سرگرمیوں کی زریب تصدیق کر رہے ہیں۔“
”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے مسند لیا۔ دہلی میں جنگ آزادی کے
اور دہلی مرتضیٰ میں پہنچے۔ انھوں نے جیم حضرت فضل کی کورٹ کے ممبر بنے۔ آخر میں
نرفار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور جیم دوام بے دروازے شہر کی سزا ہوئی۔“
”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور واقعات و شخصیات“ از پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۳۸
”اعلیٰ دہلی ہی کے ایک متبع ابن قلم نے اسی حلقے کے ایک جیمے میں انگریزوں کے
جاسوسوں کی رہنمائیوں اور رد و ناجوں وغیرہ کے حوالے سے دہلی کی جنگ آزادی میں علامہ کے فعال
کردار پر روشنی ڈالنے کے بعد منشی ڈاکٹر احمد دہلوی کی کتاب کا ذکر بھی کیا ہے،
”یہ تو محبت و وطن جہاد کے خبریں جاسوسوں اور دشمنوں کی رپورٹوں اور
روزانہ اخباروں میں اپنے امداد میں مولانا فضل حق نے لکھنے کی دہلی کی جنگ آزادی

میں جو حصہ لیا تھا اس کے بارے میں راتے سہ... منتشر کیا۔ اور اسے اپنی سیٹی لپٹا کر... سلطان اٹھنیہ بند میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی خدمات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ۱۵۷۵ء کی جنگ آزادی میں انجام دی تھیں دوران کی پاداش میں ان کو جلا وطن ہونا پڑا۔

”مباحہ ذی القعدہ ۱۰۲۲ھ منہون امداد مبارکی۔ ص ۲۶۹

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

یہ بات تو سب سے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے ۱۵۷۵ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

جنرل بخت خان... جنگ آزادی کے سربراہ تھے۔ لکھنؤ میں سیکم حضرت محل نے حریت کا پرچم اٹھایا تھا۔ علامہ فضل حق دونوں جنگوں پر ان دونوں کے محترمہ امدان کی کاوشوں میں شریک رہے۔ کی اس حقیقت کے منظر عام پر آنے کے بعد بھی اس رائے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ علامہ نے فتویٰ دینے کے علاوہ کسی کام میں حصہ نہیں لیا۔ اگر باتیں لوگوں کے سامنے لانا مجرم ہے تو میں بھی بہر حال مجرم ہوں۔ وہ منفعل ہو کہ مشعل بلا سے ملے کبھی تو حال دل زار بر ملا کیے

جنگ آزادی ۱۵۷۵ء میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصہ لیا۔

دہلی میں جنرل بخت خان کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو گرفتار ہوئے۔

”علم و عمل۔“ وقائع عبدالقادر خانی، جلد: ۱، ذیل مترجم مولوی معین الدین افضل گڑھی صاحب

جنگ آزادی ۱۵۷۵ء میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں

جنرل بخت خان کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔

آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا۔ عبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔

”تذکرہ علمائے ہند“ از مولوی رحمان علی۔ (ص ۲۸۳)

محمد ایوب قادری صاحب اپنی کتاب میں مولانا فضل حق کے حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں، اپنے ایک مضمون میں انہوں نے جہل بخت خاں کی مشادرت میں بھی ان کے شریک ہونے کا اعتراف کر لیا ہے۔ پھر وہ علامہ کے قصائد اور ان کی کتاب کو جنگ آزادی کے نہایت قابل قدر مآخذ قرار دیتے ہیں۔ اگر علامہ ان حالات کے عینی شاہد نہ ہوتے تو خود جنگ میں فعال کردار ادا نہ کر سکتے ہوتے تو ان کی باتیں قابل قدر مآخذ کیسے قرار پاسکتی تھیں۔

”جانبہ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ دہلی میں جہل

بخت خاں کے شریک ہے۔ لکھنؤ میں سیم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہے۔ آخر

میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور جس دوام عبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔“

انڈمان و نکوبار کے زمانہ قیام میں علامہ خیر آبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔

”النورہ الہندیہ“ اور قصائد غنائیہ۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی ہونے کے علاوہ

ادب کا بھی شاہکار ہیں۔ یہ سالہ اور قصیدہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے

حالات کے نہایت قابل قدر مآخذ ہیں۔“

”مقالہ جزائر انڈمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات“

از محمد ایوب قادری۔ سہ ماہی ”آرڈر کراچی“ جنوری ۶۸ء ص ۶۲

خلیل احمد فاضل نے ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ”مطبوعہ ندوۃ المستغنیین دہلی“ کے صفحہ ۹۰

۱۹۷۲ اور ۱۹۷۳ پر چٹایا ہے۔

”جب زمانہ میں شور و شر مچیل، تو مولانا فضل حق خیر آبادی نے دہلی کا غم

کیا اور بادشاہی، بادشاہی کے آئندہ منہ بجائے اور نثار شریف بہت سارے پیش کیا

۔ دوناچے میں ان کی جدت علمی کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

”مولوی فضل حق نے مختلف علوم میں خاص مرتبہ حاصل کیا تھا، یقیناً

فن منطق میں ان کا علمی سرمایہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔“

مولانا فضل حق کی دربار شاہ میں مصروفیت کے بارے میں منشی بیون لال اپنے روزنامے میں لکھتے ہیں:

۶ اگست ۱۸۵۷ء، مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے، انہوں نے اشرفی
تقدیر پیش کی اور صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

۱۸ اگست ۱۸۵۷ء، مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھنؤ پر
میں کشہ برقعہ نہ ہونے کے بعد باشندوں کا قتل عام کیا جائے گا۔

۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء، مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ محقر کی فوج آگرہ چلی گئی
ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم، ۱۸۵۷ء اور مائٹاڑاں حریت،

از محمد میاں - ص ۴۹۴)

مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری علامہ کی دوسری مصروفیات کے علاوہ والیان ریاست
اور اعلیٰ ہند کو جنگ آزادی میں شامل کرنے کی کوششوں کا ذکر یہ کرتے ہیں: ”قاری محمد
اس سے پہلے خورشید مسطفی رضوی کی کتاب کا اقتباس ملاحظہ کر چکے ہیں،

”وہ (فضل حق خیر آبادی، انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو

نکالنے کے لیے ہنر نظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل دیا جس سے آواز بلند

تھے، چنانچہ غدر جب شروع ہوا، تو مولانا نے قافلہ شریک ہوئے۔ وہ بہادر شاہ

کے معتمد، مقترب اور مشیر تھے، ان کے دربار میں شہ کیب ہوا کرتے تھے، انہیں اہم

محادثات مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے ساعی تھے کہ آزادی کی تحریک

کا میاب ہو اور انگریز اس دھیس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں۔ مولانا نے

غدر میں دلیری اور جرأت کے ساتھ علانیہ حصہ لیا۔ انہوں نے متعدد والیان ریاست

اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی جس میں والی ایاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے۔ (تمباہدشاہ ظفر اور ان کا عہد ص ۸۹۲)
 مزا حلقہ فرمائے مل مر فضل حق بہادر شاہ ظفر سے مشورے کرتے ہیں۔ فوج عظیم کا جائزہ لیتے ہیں۔ آزادی کے لیے کام کرنے والوں سے مستقل رابطہ رکھتے ہیں اور پھر اس جہد و جدوجہد میں ہزاروں کے مستیر ہیں۔ کیا یہ سب کچھ نہ کرنے کے ضمن میں آتا ہے؟

دہلی پہنچتے ہی سیدتہ قلعے میں گئے اور بہادر شاہ ظفر سے ملاقات کی۔
 جنگ کا صورت حال کے متعلق گفتگو کی فوجوں کا جائزہ لیا، آزادی حاصل کرنے کے لیے جو لوگ کمر بستہ تھے ان سے ملے اور پھر روسیوں کے سردار جنرل ٹیگٹ خان کے پاس گئے۔۔۔۔۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق شیراودی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری اور انگریزوں کے خلاف بغاوت میں شریک ہونے کے برہم میں گرفتار کر لیا گیا۔ آزادی کے مجاہد از محمود الرحمن ص ۳۵،

پرویسر محمد انور قادری کا ایک مضمون مولانا فضل حق شیراودی کو انگریزی لباس پہننے سے نفرت تھی روزنامہ ہریتہ کراچی میں چھپا ہے جس میں انہوں نے علامہ فضل حق کے دہلی سے بعد انگریزی لباس پہننے کا ذکر کیا ہے ایک شخص تحریک کی کامیابی کے لیے ایک آدمی کے پاس جاتا ہے۔ رہنماؤں کا مشیروں سے ہے۔ امرائے ریاست کو تحریک میں شامل کرنے کی سعی کرتا ہے، مصائب جھیلتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جہد و جدوجہد آزادی میں حصہ لینے کے لیے پہنچتا ہے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی خدمات سے صاف نظر کرتا ہے اور اس سلسلے میں ایک واقعہ (فتویٰ جہاد) کو جھٹلاتا ہے تو میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ

اُن کو الزام اگر دیں بھی تو ہم کیوں کوڑیں
 اتنے معصوم ہیں، انجان نظر آتے ہیں

۱۸۵۷ء کے مجاہدوں میں مولانا فضل حق اور سے دہلی پہنچے اور دہلی سے

بعد از خرابی بسیار اودھ پہنچے۔ حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہوئے۔ بعد ازاں مولانا فضل حق گرفتار ہوئے۔ بغاوت کے جرم میں اس یگانہ روزگار شخصیت پر مقدمہ چلائے (روزنامہ حریت کراچی ۱۹ جولائی ۱۹۷۷ء)

جرم بغاوت کے اس مجرم کو صرف اسماعیل دہلوی کے عقائد پر گرفت اور ان کی تعظیم پر اتنی لڑی سزا نہیں دینی چاہیے کہ یا تو ان کا ذکر جنگ آزادی کے تذکرے میں سرے سے کیا ہی نہ جائے۔ اگر نہ ذکر کریں تو کبھی کہا جائے کہ انہوں نے فتویٰ نہیں دیا کبھی قرار دیا جائے کہ فتویٰ تو خیر انہوں نے دیا تھا اور کچھ نہیں کیا۔

حامد حسن قادری ان کے خرم بغاوت کے متعلق اشارہ کرتے ہیں:
 ۱۸۵۹ء میں جب غدر کے بعد انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اور لوگوں کے ساتھ مولانا فضل حق پر بھی جرم بغاوت عائد کیا گیا اور جس دام بھروسے شور کا مکمل ہوا۔
 (داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری، ص ۳۲۹)
 مولوی ذکار اللہ دہلوی بھی علامہ فضل حق کو علمائے حق کا سرخیل گردانتے ہیں اور بڑا لہ
 "خون کے آنسو" حصہ اول۔ از مشتاق احمد نظامی ص ۴۴
 علامہ پر قائم اردو مقدمے کی رپورٹ میں لکھا ہے:
 "یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ پیداوی سیم (حضرت محل) کے شیراز میں ہیں۔ باقی فوج میں ان کی آراء شورائی کے نام سے شہرت تھی، بلکہ کبھی کبھی انہیں، کچھ پری پارٹیشن کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں لازمہ فضل حق بہت ممتاز تھا۔"

فیصلہ میں یہ بھی لکھا ہے:

وہ خود بہت ہی آدمی ہے، جو اس وقت بھی سید صاحب کے ساتھ ہے۔
 اس لیے اس کا نام اور امن، علامہ کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ

جوڈیشنل کمشنر اور قائم مقام کمشنر خیر آباد و دیرین نے ہمارے ۱۸۵۹ء کو
فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا:

”بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ اور میں ملازم تھا۔ یہاں سے ویدہ
وانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا
ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور سے ہندوستان
سے خارج کر دینا چاہیے۔“ (ماہنامہ تحریک دہلی، جون ۱۹۰۷ء)

(بحوالہ حرف آغاز ”اعنی ہندوستان“ از محمد علی محمد قادی)
(مطبوعہ، مکتبہ قادریہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور)

سید مصطفیٰ علی بریلوی جنگ آزادی کے عظیم رہنماؤں کی فہرست میں مولانا فضل حق کا
ذکر یوں کرتے ہیں:

”ہماری پہلی جنگ آزادی کے ہیرو بلاشبہ انگریزی فوجی اور سول افسران سے
کسی طرح قابضیت اور ستب الوطنی میں کم نہیں تھے۔ جیڑل بخت خان، جیڑل محمود خان
سیڑ مسرت محل، مولانا احمد اندر شاہ، سید لیاقت علی، مولانا فضل حق خان، بہادر خان
انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین
وضو و مجاہدین کے بیڑے میں اپنی اپنی جگہ بڑی بڑی فریادیوں کے لوگ تھے۔“

(انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین)

”انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین“

”انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین“

”انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین“

”انارواؤ، مہتمماؤں، شہزادہ میر درد شاہ، جہانپوری کی سانی، محمد علی خان عرف جی گرین“

اس قسم کے متعدد جلسے ان علماء نے مسجدوں خصوصاً جامع مسجد میں کیے اور ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی اپنی پُر جوش تقریروں سے مسلمانوں میں جوش جہاد پیدا کرتے ہوئے پتہ پتہ پیچیدگی پختی لال لکھتا ہے :

”مولوی فضل حق اپنے مواظ سے عوام کو مسلسل مجھ کا رہے ہیں“
(اخبار دہلی، از پختی لال، ص ۲۷۳، ۱۲۷)
(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون“ از حکیم محمد احمد بہکاتی۔ ص ۴۸)
اور اس کے چیف کمنٹر کا سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری کے نام ۱۱ دسمبر ۱۹۵۸ء کو ایک سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے :

”مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت کو قیام امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے۔ فیروز شاہ، لکھنؤ، مولوی فضل حق جو ہماری حکومت کا دشمن جاں ہے، حالانکہ حکومت نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کیے تھے۔“

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون۔ ص ۸۷، ۸۸)
بہادر شاہ ظفر سے علامہ فضل حق کی ملاقاتوں کا مقصد جنگ آزادی کو تیز کرنا تھا انہوں نے بادشاہ کو فضا دل کرنے کی کوشش کی۔ مجاہدین کی سرپرستی کی اہمیت، جاتی اور دوسرے مناسب مشورے دیئے :

”... ان حالات میں تحریک کی کامیابی کے امکانات کا دھندلانا لازمی ہے۔ مولانا نے اس اہم مسئلے پر پہلے دن سے توجہ دی اور بہادر شاہ سے اپنی پہلی ملاقات میں اس پر زور دیا کہ مجاہدین کی روپیہ اور سامان رسد سے مدد کرنا نہایت ضروری ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب جب بھی بادشاہ سے ملتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں عایا کی بہت افزائی

کریں اور ان کے ساتھ باہر (مخافہ) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں۔" (میموئرس - ص ۲۴، ۲۳)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاد، ص ۵۰، ۴۹)

علامہ فضل حق نے صرف بہادر شاہ اور بخت خان سے ملنے اور انہیں مشورہ دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شاہ نے جو گنگا کونسل تشکیل دی تھی۔ علامہ اس کے بھی بڑے اہم رکن تھے۔ "سید مبارک شاہ (جو دوران ضرہ دہلی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے جنرل بخت خان، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق پر مشتمل ایک گنگا کونسل تشکیل دی تھی۔ مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پریوی کونسل بھی لکھا ہے۔"

THE GREAT REFORMATION OF 1857

(راڈ کلفٹریڈ میمن الحق - ص ۱۲۸، ۱۸۳)

سوویٹ یونین کی سائنس اکیڈمی کے ادارہ علوم شرقیہ کی ایک ممتاز رکن مادام پرونسکایا ایک مضمون میں لکھتی ہیں:

"مولانا (فضل حق)، نور تشریف لائے، جہاں انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پرچار کیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ زمیندار جو برطانوی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں، اس کی بنیادی طاقت ہوں گے۔ مولانا موصوف کے معاصرین اور ان کے سوانح نگاروں نے ان کے بہت سے خطوط کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کو لکھے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پیغام دیا تھا۔ بغاوت کے زمانے میں مولانا انگریزوں کے مخالفوں کی صف میں رہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے سماجی اور سیاسی نظریات سامراجی حکومتی کے جوئے سے ملک کو آزاد کرنے کی اس خواہش کے آئینہ دار تھے جو پوری قوم کے سینے میں پروان چڑھ رہی تھی۔"

اس حیثیت سے ان کی جملہ سرگرمیاں ہندوستان کے قومی مفاد کو پورا کرتی تھیں۔“ (پندرہ روزہ سوویت دیس، دہلی، ۱۰ جولائی ۱۹۵۸ء)

(بحوالہ غالب نام آدم - ص ۱۱۶)

بچو و عزیزہ و محکم چو کو ہساراں زی

چو خس مزی کہ صبا تند و شعلہ بیا کست

ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں :

”اگر حیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے۔“

(”بہادر شاہ دوم“ - ص ۳۹۱)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون - ص ۵۲-۵۱)

آغشتہ ایم ہر ہر خار سے . بخون دل

قانون باغبانی صحرانوشہ ایم



جنگِ آزادی

کے

مخالف کون؟

کہیں گرتی ہوئی دیواریں کہیں جھکتی چٹھیں
آپ کہتے ہیں تو یہ قصور و فہم ہی ہوگا

جن لوگوں نے دوسروں کا کیا دھرا اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش میں قلم سے لگاس کھدائی شروع کر رکھی ہے۔ تارک سے پوچھیں کہ ہر ایسے موقع پر جب دین و ملت کے لیے کوئی فیصلہ کن مرحلہ سامنے آیا، ان کا کردار کیا رہا ہے؟ تو حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان بڑوں کے چھوٹے اب خود تاریخ ساز نہیں، اور اس معاملے میں خود کفیل ہوتے جا رہے ہیں انہیں اب اپنے قول سے باہر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، مگر اس طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرات مل تو نہیں جایا کرتے۔ اپنی ذات میں گم رہنے کی اس نئی دلیل سے حقائق کا شہ تو افہام نہیں ہو جاتا۔ واقعات کو کربیدی تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد صاحبان انگریز کے ایماء پر سکھوں اور مسلمانوں سے جہاد کرتے رہے اور ان کے ساتھیوں نے زیادہ تر جنگ آزاوی میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز کے خلاف جہاد حریت میں حصہ لینے والے وہی علماء تھے جو اسماعیل دہلوی کے مخالف تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت جن کے عقیدے اور ایمان کی بنیاد تھی۔ ہم ان حقائق کے رخ سے نقاب ہی نہ اٹھا سکیں تو ہماری کم بہتی بنے درہ سچائیاں چھپنے کے لیے نہیں ہوتیں۔

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی

درد نہ چیز ہی کیا ہے گوشہ نقاب ان کا

”بنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے ہوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے دو سب کے سب علماء کرام شامل تھے، جو عقیدہ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے دین بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔ (حاشیہ مقالات سرسید، حصہ شانزدہم) (از محمد اسماعیل پانی پتی، ص ۳۵۲)

اس حقیقت کا اعتراف خود اہل حدیث حضرات کے ایک عظیم رہنما نواب قی حسن نے اپنی تصنیف ”ترجمان دہلیہ“ میں یوں کیا ہے :

”زمانہ غدر میں سواروں اور فٹنوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے مسئلہ پر مہربانی، فتویٰ لکھا جس نے انکار کر دیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا۔ سرور مہربان نے والے اور فتوے لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت، و اہل حدیث کو زبردستی دہلی“ نام رکھتے ہیں۔“

(”ترجمان دہلیہ“ از نواب سدید حسن خاں، ص ۵۵)

اہل حدیث حضرات کے ایک بہت بڑے عالم و فاضل مولوی محمد حسین شاہوی اپنی کتاب ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ میں کہتے ہیں کہ جن مسلمانوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا، وہ قرآن و حدیث کی رو سے مفسد، باغی، اور بدکردار تھے۔ ان میں سے جو علماء کہلاتے تھے، وہ بھی قرآن و حدیث سے بے بہرہ، نا فہم اور بے سمجھ تھے۔

ان دہلیوں کے نزدیک قرآن و حدیث کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انگریزوں کی کارہائیں کرو، ان کے انگیخت کرنے پر ان کے مخالفوں سے جنگ کرو، ان سے صرف جہاد لوگوں کے خلاف فتوے دو۔ انگریزوں کے ہم زبان ہو کر مجاہدین کو مفسد، باغی اور بدکردار قرار دو اور حکومت انکشافیہ کے ساتھیوں کو غلامین قرار دو :

”مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور حکم قرآن و حدیث و مفسدہ باغی اور بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کا لافغاں تھے، بعض جو خواص علماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل دین (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ تھے یا نا فہم و بے سمجھ، باخبر اور سمجھدار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے۔“ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد - ص ۴۹)

محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند کا اعتراف ملاحظہ کیجئے کہ وہابی تحریک جس کا مرکز صادق پور تھا، تحریک آزادی کی مخالف تھی۔

”دوسری تنظیم جو اس تحریک کے زمانے میں موجود تھی، وہ تنظیم ہے جس کو وہابی تحریک کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جس کا مرکز صادق پور تھا، یہ تنظیم بحیثیت تنظیم تحریک سے الگ رہی، بلکہ اگر مولانا عبدالرحیم صاحب معتمد الدرامتور کا قول لکھیں تو یہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ تنظیم ۱۸۵۷ء کی تحریک کی مخالف رہی۔“ (علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم ص ۲۱۳)

دیوبندی حضرات اسماعیل دہلوی کے مخالفوں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کی خوشامد میں کیا زبان استعمال کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے: ”بعض کے سروں پر موت کیسیل رہی تھی، انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے علم بقاء کا علم قائم کیا۔“

(تذکرۃ الرشید حسد اول، از عاشق الہی میٹھی، ص ۷۳)

مشاہدے کو تو کانٹوں کی بھیجک بھی نہ ملی
منا ہے صحنِ مستان میں چپول کھلتے ہیں

انگریزوں

کا

ایک حاشیہ بردار

واقف نہیں تو اس کے لبوں کو کنول نہ لکھ

الفاظ کو خضاب لگا کر غزل نہ لکھ

اسماعیل دہلوی نے اس قسم کی مجددیت کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ اشارات
 درج کیا ہوں۔ مفضل ذکر آگے آئے گا۔ اس مجددیت کی تشکیل کرنے والے ان کے جانشین
 سید نذیر حسین دہلوی تھے۔

”مولانا شبید (اسماعیل دہلوی) نے مجددیت کی بنیاد ڈال دی تھی مگر سبب
 اس کے کہ آپ کی عمر صرف ترقن برس کی ہوئی اور ایک منہ بہ زمانہ آپ کا جہاد میں
 صرف ہوا۔ علم الہی میں اس کی ضرورت تھی کہ اس تجدید کو کامل کرنے کے لیے ایک
 خاتم بھی آگے سے موجود ہے۔ . . . اس جانشین سے مراد میں مولانا سید نذیر حسین“
 (الحیات بعد الممات سوانح عمری میاں سید نذیر حسین ص ۱۲۰)
 مجدد بھی انگریزوں کی وفاداری پر مقرر تھے، مجددیت کی تکمیل کرنے والے ان جانشین
 کے متعلق ان کے اپنے محمد جعفر تھانوی مفسر کے الفاظ کیسے ہیں،

”مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولت انگلشیہ
 کے ہیں۔“ (کالابانی: ص ۲۳)

انگریزوں کے ان نامی خیر خواہ کو جنگ آزادی میں حصہ دلانے کی کوششوں
 کا ایک بھولی ملاحظہ فرمائیے،

”مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی.... نے ایک طرف تو جہاد کے فتوے پر دستخط کیے اور دوسری طرف انہوں نے ایک انگریز عورت مسٹر فیس کو پسندادی۔ (جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء، از محمد ایوب قادری، ص ۲۰۹) اصل میں ہمارے ان دوستوں کی سمجھ میں سرے سے یہ بات آتی ہی نہیں کہ کوئی شخص علامہ فضل حق خیر آبادی کی استقامت کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے، چونکہ اس جنگ میں ”دلیہوں“ کا کردار اجتماعی قومی اور ملی مفاد کے خلاف تھا اس لیے وہ جنگ آزادی کے ہیروؤں کے خلاف تو زبان کھولنے کے کسی ڈھنگ نکالتے ہیں اور اپنوں کی عظمت کے انہماک کے لیے کئی کچھ بولتے ہیں تعجب ہے کہ میاں نذیر حسین تو جہاد کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

(الحیاء بعد انعمات، ص ۱۲۵)

اور پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب فتوے پر ان کے دستخط ثابت کرتے ہیں۔ اس کچھ برعکس علامہ فضل حق فتویٰ دیتے ہیں۔ عدالت میں فتویٰ پر اصرار کرتے ہیں اور پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے فتویٰ دیسی نہیں۔ انہوں نے انگریز عورت کو پناہ دینے کی بات بھی اس انداز سے کہی ہے جیسے انسانی ہمدردی کے جذبے سے ایسا کیا گیا ہو، حالانکہ نذیر حسین صاحب نے انگریزوں کی خونخواری کے لیے ایسا کیا تھا جس کے نتیجے میں انہیں سزایں اور نقد انعامات ملے۔ لیکن پروفیسر ایوب قادری صاحب ہی کی بات کیا کیجئے۔ غلام رسول تہر قان سے بھی کئی قدم اگے نکل گئے ہیں اور غلط بیانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میاں صاحب (سید نذیر حسین دہلوی) نے اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا، محض اسلامی فرض سمجھ کر انگریز خاتون کو پناہ دی تھی۔

”یہ صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا اور تندرست ہو گئی اور اسے اس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں بھی پہنچا دیا گیا، مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرا اسلامی فرض تھا۔“

اب ذرا حقائق کی طرف بھی جیسا تک لیجئے اور یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا ان لوگوں کی اپنی کتابوں سے کہوں گا۔
 سید نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری "الحیاء بعد الممات" مطبوعہ مکتبہ شعیب مدنی، نئی دہلی، گراچی میں ہے :

"تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جاں میم کو جواب بالکل تندرست اور توانا مثنیٰ، انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا، جس کے سسے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپے اور مندرجہ ذیل سائیکلیٹیں ملیں۔
 ("الحیاء بعد الممات" از فضل حسین بہاری، ص ۱۲۷)
 فضل حسین بہاری کے علاوہ خود پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی حیات سید محمد شہیدؒ میں تسلیم کیا ہے کہ محدث اسماعیل کے اس تکمیل کنندہ نے سفر و حضر میں انگریزوں کی سندس کو حزرِ جاں بنائے رکھا۔

'میاں نذیر حسین وفادار گورنمنٹ ٹمپلرے اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا۔
 جب میاں صاحب حج کو تشریف لے گئے تو کوشہ دہلی کا خط سامعہ لے گئے۔
 گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۱۴ جون ۱۸۹۷ء کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔
 ("الحیات بعد الممات" ص ۸۱، ۱۰۰)

(تذکرہ رجال از محمد ایوب قادری، تتمہ حیات سید محمد شہیدؒ مطبوعہ انیسویں صدی کراچی، ص ۳۸)
 مولوی نذیر حسین صاحب کو وفاداری کے جو سرٹیفکیٹ عنایت ہوئے ان میں سے ایک کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بہت بڑے متفقہ عالم میں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔
 جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد پا رہی ہے وہ ان کو مدد دے گا۔"

کیونکہ وہ کامل طور سے اس بدو کے مستحق ہیں،

و مستخط جے ڈی ٹریملٹ بیچال سرکس

(کشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ - ۱۰ اگست ۱۸۵۳ء)

(الحیاء بعد المماتہ ص ۱۴۰)

سنجھل کر پاؤں رکھنا میکدے میں شیخ جی صاحب

یہاں پگڑھی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

جب غلامہ فضل حق اور دوسرے علماء حق انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے تو بلای

انگریز سرکار کی مدد سے سرائی میں رطب اللسان تھے۔ الحیاء بعد المماتہ میں انتہائی واقفانہ

ساتھ مولوی ناریہ حسین المعروف میاں صاحب کی انگریزوں کی کاسہر سی کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی (زور لفظ بھی) گورنمنٹ

انٹیشی کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ ۱۸۵۷ء میں بکڑی کے بعض مقتدر اور بیشتر

مقتدرہ فریوں نے انگریزوں پر بہادری کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے اس پر غلط

جسے نہ وہ خود فرماتے ہیں کہ یاں: وہ قلم تھما بہادری شاہی نہ تھی وہ بیچارہ

بھلا کیا کرتا۔ شہادت ان میں زمانہ بزم ازوں کے تمام دہلی کو ناب ویران

بادا باد کردیا۔ شہزادہ امارات و بہادری بالکل مفتوح تھے، ہمہ تن اس فتویٰ پر

رشتہ دار کیا مہم کی کرتے۔ (الحیاء بعد المماتہ مضبوط کتابت شعیب کراچی ص ۱۲۵)

تو یہ بت کہ آپ باتوں اور تحریروں سے جیسے گل پونے سجائیں تب تک

کر دینا ہو۔ باتیں نقش بر آب اور صد البسخر ثابت ہوں گی۔

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط

خوشبو اڑی تو مچھول فقط رنگ رہ گیا

اسماعیل دہلوی کا سیاسی کردار

انگریزوں

کے ساتھ تعلقات

مجھے انکارِ وصلِ غیرِ کیوں کرنے شک گزے
زباں کچھ اور بولے پیر بن کچھ اور کہتی ہے

آج کل کچھ لوگوں نے بالائے التزام یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تحریک مجاہدین کا اصل مقصد انگریزوں کی مخالفت منہا اور وہ ہماری جنگ آزادی کے ممتاز سپرد ہیں۔

کیونکہ حقیقتوں کا پتہ چل سکے کہ لوگ

ملے ہیں اپنے آپ سے بھی اڑھ کر نفار

اس باب میں اس دعویٰ کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے :

”اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ دراصل سید احمد شہید کا

مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا، سکھ تو ویسے ہی وہ میان میں آ گئے۔“

یا اگر سکھ آزادی وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے

لیئے تیار ہو جاتے، تو خود ان سے نرم و پیکار کی کوئی وجہ نہ تھی یا سکھوں سے فارغ

ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا، مگر واقعہ یہ

ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں۔ بسا اوقات یہ بات یہی

ہے کہ سب بزرگوار حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سر شہید

(جو حضرت شہید کے سب سے قریب العبد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔“

(حاشیہ مقالات سر سید حسنہ شانزدہم از شوقی محمد علی پٹوچی، ص ۲۴۸)

سر سید احمد خاں کا مضمون ڈاکٹر سبڑکی غلط فہمیوں کا ازالہ مقالات سر سید حصہ ہفتم کے صفحہ ۲۵ تا ۲۰۷ پر پھیل چکا ہے جس میں انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ سید احمد برٹوی اور اسماعیل دہلوی کی تحریک کا انگریزی حکومت کی مخالفت سے دو کا بھی واسطہ نہ تھا، بلکہ یہ لوگ انگریز کے ایما پر سکھوں سے لڑنے کے لیے نکلے تھے مضمون کے آخر میں مقالات سر سید کے مرتب نے حاشیے میں لکھا ہے :

”سر سید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد برٹوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے مرکز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سر سید کے اس بیان کی تائید متعدد مورخین نے بھی کی ہے، چنانچہ ذواب صدیقی حسن خاں نے ترجمان و ہدایہ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۸ پر نیز سوانح احمدی، مؤلف مولوی محمد جعفر تھانیہ سری میں بیس مقامات پر اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موسوم بہ حیات طیبہ کے صفحات ۱۵۹، ۲۹۲، ۲۹۴ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔“

(مقالات سر سید، حصہ ہفتم، ص ۲۰۷)

خود ان لوگوں کے رسالہ الفرقان نے اسماعیل صاحب پر ایک خاص نمبر شائع کیا تو اس میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہی ہیں :

”مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا، اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔“

(الفرقان، شہید نمبر ۱۳۵، ص ۷۶)

تو شاہ می نمائی بہ برکہ بودی اشب !

کہ ہنوز چشم مست اثرِ خمسار دارد

سر سید احمد خاں اس تحریک اور آزادی کی تحریک کے زمانے کے آدمی تھے، وہ کہتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی صاحب نے اثنائے وعظ میں انگریزوں کے خلاف کے ایک استغفار کے جواب میں فرمایا کہ ان کے مذہب کی رفسے یہ بات ان پر فرض ہے کہ وہ انگریزوں کے خلاف کبھی جہاد میں شریک نہ ہوں۔ یہ کوئی خاص مذہب معلوم ہوتا ہے۔ دین برحق نے تو اس قسم کی کوئی قدرغن نہیں لگائی،

اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے۔ وہ بھی تو کافر ہیں، اس نے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ افیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں، اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رفسے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں مسلمانوں اور بے شمار مسلمان جنگ کا ذخیرہ کھتوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔

(مقالات سر سید، حصہ نہم از سر سید احمد خاں ص ۱۴۲)

اس کے بعد سر سید نے کشن اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر گورنمنٹ کا فیصلہ بتایا ہے کہ ان سے تعارض نہ کیا جائے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے متعاہد کے خلاف نہیں ہے۔ آج کل کے تاریخ ساز سر سید پر معترض ہوتے ہیں کہ وہ انگریزوں سے مسلمانوں کے تعلقات بحال کرنے کے آرزو مند تھے، اس لیے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں، ورنہ تحریک مجاہدین، محققین و انگریزوں کے ہی خلاف، لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ سید احمد اور اسماعیل صاحبان کے سب سے پہلے مزاج اور ساتھی جعفر تھا میری صاحب بھی اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

طاقتِ برخواستہ - تن از گردِ بنسٹ کم نہاند
حق پندار کہ میخوارست دست افتادہ دست

یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام مکہ میں جب ایک دوزخاٹا محمد بنعل شہید و عطا فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔

(سوانح احمدی، مطبوعہ فاروقی دہلی، ص ۷۲)

انہی محمد جعفر تھانیسری صاحب کے حوالے سے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

مولوی محمد جعفر تھانیسری جنہیں دہلیوں کے متعدد سازش میں جس دوام عبور و ریائے شور کی سزا ہوئی تھی، اپنی کتاب سوانح احمدی میں لکھتے ہیں جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو؟ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو، یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔۔۔۔۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے، نہ انگریزوں کا، نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے۔۔۔۔۔ سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے، مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ (دموج کوثر، ص ۲۰)

چونکہ تھانیسری صاحب کی کتاب میں بیسیوں مقامات پر اس قسم کی گہنی باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں اور اس وقت وہ انگریز کی وفاداری کو فخر و مباہات سمجھتے تھے اس لیے آج کے معقین ان پر بھی دُرُوح گوئی کا الزام لگانے سے نہیں چوکتے۔ اس قسم کے پروپیگنڈے کے ذریعہ قانون میں سے کسی حضرات شاید جعفر صاحب کو کوئی عام مصنف سمجھتے ہوں، ان کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کی خاطر تحریک مجاہدین کے نام لیواؤں کی تحریروں میں سے جعفر صاحب اور ان کی کتاب

”سوانح احمدی کی حیثیت کے بارے میں چند آراء ملاحظہ ہوں :
 ”سوانح احمدی“ مطبوعہ صوفی کمپنی کے تعلق جناب مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں،
 ”اس میں حضرت سید صاحب کے حالات زندگی جہاد اور تعلیمات کا خلاصہ
 درج ہے۔ یہ اردو زبان میں سید شہید کی سب سے پہلی مرتب میرت ہے۔
 تاریخی نام تواریخ عجیبہ ہے۔“

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک - ص ۷۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ ”مصنف سید صاحب کی جماعت سے خاص
 تعلق رکھتے ہیں۔“

”سوانح احمدی کے بارے میں غلام رسول مہر خود یہ لکھنے پر مجبور ہیں،
 ”اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے۔“
 (سید احمد شہید از غلام رسول مہر، ص ۱۲)

چند اور آراء ملاحظہ ہوں :

”سوانح احمدی“ اور تواریخ عجیبہ اردو کی پہلی کتاب سید صاحب کے حالات
 میں مقبول و مشہور ہے، جس سے سید صاحب کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی؟

(”سیرت سید احمد شہید از ابوالحسن علی ندوی، ص ۸)

مولوی محمد جعفر عثمانی سیری حضرت سید صاحب کے مستند سوانح نگار ہیں۔“

(”نقش حیات“ از حسین احمد مدنی، ص ۱۸۴)

مولوی محمد جعفر عثمانی سیری سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے خاص رکن اور
 بڑے رازدار تھے۔“

(”مضمون“ جوائنٹ ٹرانسمان و نیو بار میں مسلمانوں کی علمی خدمات)

(از پروفیسر محمد ایوب قادری، سماجی اردو کراچی، ص ۷۸)

”مولوی محمد جعفر تھانیسری تحریر کیا جہاں واصلہ کے ایک نامور شخص تھے۔“

(مضمون ”پروفیسر محمد ایوب قادری اور اہل حدیث“ زینتین احمد)

(سہفت روزہ ”الاسلام“ لاہور ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء)

تھانیسری صاحب کے وہابی ہونے کے ناطے، اُن کے سامنے ہر گردن کو جھکانا ضروری سمجھا جاتا ہے، لیکن انگریزوں کی کاسہ سیسی کے متعلق تحریر کیا مجاہدین کے بڑوں کے اوقات تھانیسری صاحب کے قلم سے سن کر تسلیم جھکانے میں تعرض ہے۔

”مولوی جعفر تھانیسری سید صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے۔“

اس وابستگی کے باعث انہوں نے غوفناک کلمیں اٹھائیں، لکھ بار لایا اور کم و بیش

اٹھارہ سال کاٹے پانیوں میں بسر کیے۔ ان کی قربانیوں کے سامنے ہر شخص کی گون

احتراماً جھک جانی چاہیے۔“ (سید احمد شہید از غلام رسول مہر، ص ۲۵۸)

”یہ کتاب حیات سید احمد شہید حضرت سید احمد شہید کے خاص متبع و تلامذہ

تھانیسری کی تصنیف ہے۔۔۔۔۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس کتاب کی اہمیت

کیا ہے، ہر لفظ سے مجاہد کے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔“

(پیش لفظ حیات سید احمد شہید از محمد اقبال سلیم گامبندی،

(مطبوعہ نفیس ایڈمی کراچی، ص ۴)

”موانح احمدی“ سید صاحب کے حالات میں سب سے پہلی کتاب ہے،

جو زیر طبع سے آراستہ ہوئی اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کے لیے بنیادی مواد

ثابت ہوئی۔۔۔۔۔ اس میں ان کی سپاہیانہ زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا بیان ہے

اور تمام معرکوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو سمجھوتوں وغیرہ سے پیش آئے تھے۔“

(منقذ حیات سید احمد شہید از محمد ایوب قادری ص ۴۴)

یہاں وغیرہ سے پروفیسر صاحب کی ملازمہ کے اہل اسلام میں، لیکن لفظ کے ارقام

یہ تمام کا التزام لینا روا رکھا ہے کہ لوگ اس سے انگریز بھی مراد لینا چاہیں تو کوئی حرج نہ ہو۔
اس تو جعفر صاحب اپنی کتاب کے مندرجات کے درست ہونے کے متعلق خود کیا
لکھتے ہیں: ”میرا یہ بھی مراد لیتا چاہیے۔“

”میں نے اس کتاب (سوانح احمدی، تواریح عجیبہ) کو بڑے راست باز
لوگوں کی متعدد تحریروں سے نقل کیا ہے۔ جنہوں نے ان واقعات کو خود دیکھا
میرے نزدیک اس کتاب کی رایت میں دروغ کوئی مبالغہ کو کچھ دخل نہیں
(سوانح احمدی، مؤلفہ محمد جعفر خٹنا میسری، ص ۱۲)

(مطبوعہ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی، منڈی بہاؤ الدین)
جعفر خٹنا میسری نے اپنی کتاب سوانح احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ
”سید صاحب کے حالات میں میں سے زیادہ بدلائل شرعی اعلانات ہیں کہ کلمہ
کی مخالفت کوئی نہ کرے۔ اور مہر صاحب نے اپنی کتاب سید احمد شہید کے
۲۴ ویں باب میں جامع الشرائط امام کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ چارویں
کفار و فساد سے بھی مدد ملی جاسکتی ہے۔ غیہ مسلم دشمن کے مقابلے میں غیر مسلم
معاہد کو رفیق بنایا۔“ (سید احمد شہید کی صحیح تصویر از وحید احمد مسعود، ص ۱۵۳)
جعفر صاحب نے دابیت کے جوش میں سید صاحب اور اسماعیل صاحب کو بہت بڑا
ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ حتیٰ کہ مشہور مورخ رئیس احمد جعفری کو ان کی
”جانب داری پر کھانا پڑا۔“

”کتاب تاریح عجیبہ - کالا پانی، بڑی دلچسپ ہے اور بڑے لڑخیز
احوال و حوادث پر مشتمل ہے، لیکن اس میں ایک بڑی کمی بھی ہے۔ مولانا نے
سب کچھ لکھا ہے، لیکن رفقاء زنداں کے ذکر سے بالکل گریز کیا ہے۔
حق بات یہ ہے کہ مولانا پرانا اور تحریک دابیت کا جوش اس قدر نیا یا غالب

تھا کہ وہ اپنے اور اپنی تحریک کے سوا کسی اور چیز کا ذکر ناپسند نہیں کرتے تھے، اگر انہوں نے کالے پانی کے دوسرے بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام اسمیں کا ذکر کیا ہوتا تو اس کتاب کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہوتی۔

(نہادشاہ ظفر اور ان کا عہدہ منصف آخر)

دہلیت کے اس جوش میں انہوں نے جس قدر اخفا کیا ہے، جتنا اپنے مدحین کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، اس سے قطع نظر سوانح احمدی اور مکتوبات سید احمد شہید میں جس قدر سچی باتیں ان کی زبان قلم سے نکلی ہیں، انہیں بھی ان کے اخلاص برداشت نہیں کر سکتے اور اب جعفر صاحب کی یہ حالت ہے کہ

نہ خدا ہی طمانہ وصال منعم ؛

نہ ادھر کے ہے نہ ادھر کے رہے

صبح بولنے میں کبھی سے کام لے کر وہ تاریخ کے گناہگار بن گئے اور ایک آدھ تپا فقرہ یا پیر الکھ کر اپنے پیروؤں کی دشنام طرازی کا ہنسنے لگے۔ قَاعَتِ بَرُو یا اُولٰی الْاَبْصَار۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنے کے شاہ اسماعیل کے فتوے کے اندراج پر سر سید احمد خاں اور جعفر نقاش میسری تو اپنی قوم کے معتروب ہوئے تھے، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اسماعیل دہلوی کو پیائے شہید اور علامہ فضل حق کو مولوی منطقی، لیکن علامہ زحیرت دہلوی بھی اس واقعے کی تصدیق کرتا ہے اور زیادہ واضح الفاظ میں کہ انگریز کے دشمن کو پیار شہید نے اپنا دشمن قرار دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آج کے دانشور اس حرکت پر مرزا حیرت دہلوی کو ”جھوٹوں کا بادشاہ قرار دیتے ہیں۔“

جو تیرے راز داں تھے، بڑے معتبر تھے

کچھ نیم آشنا ملے، کچھ بے خبر ملے

”مکتبہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا،

اور کھٹوا، کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے، تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ

انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں، ایک توان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے احکام کے خلاف وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر انجی نہ آنے دیں۔ (حیاتِ طیبہ از مرزا سید دہلوی ص ۲۹ مطبوعہ قادیان) یاد رہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو پہلے ان لوگوں نے مستند اور مضبوط کتاب قرار دیا تھا۔ دوسری کتاب مزاحیرت مرحوم کی حیاتِ طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے، (الفرقان، شہید نمبر ۱۲۵ ص ۵۱) جعفر تقانی سیری اور مرزا حیرت دہلوی نے اپنے ممدوحین کو بنائے سنوارنے میں

اپنی عاقبت خراب کر لی، بہت کچھ کیا ہے

کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے

عربانیوں کو اور دھلیاں کی طرح

لیکن انگریزوں سے سید اسماعیل کی وفاداری کہیں نہ کہیں ان دونوں کے قلم سے جھلک ہی پڑی سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند کہتے ہیں کہ انگریز کے شکنجہ انتقام سے بچنے کے لیے ہم پہلے یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ مجاہد انگریز کے مخالف نہیں تھے، راستقامت، استقلال، بہت، جرات اور حق گوئی کی داد دیجئے

دوسری طرف سید صاحب کے وہ ماننے والے جن کو دہلی کہا جاتا تھا

جب تقریباً نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے ٹکراتے رہنے کے بعد چٹا چور

ہو گئے اور مجبوراً ان کو اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی تو عوام کے ہنگامہ کا جواب تو

انہوں نے مجالسِ مناظرہ کی ہنگامہ آرائی اور رسالوں اور پمفلٹوں کی اشاعت سے

دے دیا، مگر انگریز کے شکنجہ انتقام سے بچنے کے لیے لامحالہ ان کو یہ ثابت کرنا پڑا

کو سید صاحب اور آپ کے ساتھی انگریزی حکومت کے دغا دار تھے اور ان کی ہانپا
سرگرمیاں صرف سیکھ حکومت کے خلاف تھیں۔۔۔ چنانچہ اعلام نامہ کا یہ فکٹہ
سوانح احمدی ص ۲۳ میں جلی قلم سے لکھا گیا ہے: ”ذبا سکارا انگریزی محاسنت و ایام و
ذبیح را و تنازعات کہ از رعایا او بستیم و بکھایتش از مظالم برآید“

(علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد دوم، ص ۲۸۴)

بھٹی، بی تو بتاؤ کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے انگریزی اقتدار کے خلاف، یہ کوئی ما
تیر مارا تھا جس کو تم انگریز کہہ ڈلتے، آج تک چھپاتے رہے ہو اور اب اس راز کو پشت از بام کرتے
ہو۔ پھر یہ نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے بچاتے رہے، ”کی ہند باشتی قبائے اور ہندوؤں
کے قیامت پر مذہنوں کب ہے، تم پچاس برس تک کی بات کرتے ہو، میں کہتا ہوں کسی ایک لمحے کی
بات کرو، جب انہوں نے انگریزی اقتدار سے ٹکرانے کی خواہش کا اظہار کیا ہو، مبالغہ تو اسے
کہتے ہیں کہ کم کو زیادہ بتایا جاسے، لیکن عنقا کو ہاتھیں کی ڈار کہنے کو کیا کہتے ہیں

ع۔ کوئی مسئلہ کہ ہم بتلاتیں کیا

مقتدر و بابائی لیڈر سید نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری میں اس تحریک مجاہدین کی اہمیت
کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

”آپ (اسماعیل دہلوی) اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم
کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لیے پنجاب پہنچے، گورنمنٹ انڈیا
نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔“

(الحیات بعد الممات، ص ۲۰۲)

اب دیکھئے کہ نواب صدیق حسن خاں اس تحریک کو کیا کر دیتے ہیں اور ان کی انگریز دوستی کے
متعلق کیا کہتے ہیں، مگر پہلے نواب صاحب کے متعلق غلام رسول مہر کی رائے ملاحظہ فرمائیں:
”نواب صاحب مرحوم نے سید صاحب کا ذکر مختلف کتابوں میں کیا ہے۔۔۔“

پھر نواب کا تعلق فرمانروایان تو کم اور اعزاز سید صاحب سے کثیر ہر تاجر اور
اس لیے انہیں سید صاحب کے خاصے ملاقات معلوم ہو چکے (تیلدہ شہید ص ۳۳)
نواب صدیقی حسن خاں اس بات کی پُر زور اور بدلائل تردید کرتے ہیں کہ نواب صاحب
والے انگریزوں کے خلاف نہ تھے :

”نوابوں نے سرکار انگریز سے کبھی جہاد کیا اور نہ ہندوستان میں جہاد کوئی
جہاد کہہ سکتا۔۔۔ اسی طرح جو تعینات سید احمد شاہ صاحب پہلوی اور ان کے
سربراہوں کی تھے۔ اس میں کہیں بھی ذکر و یادوں کا نہیں ہے اور نہ مسئلہ جہاد کا ملکا
تھے۔۔۔۔۔“ (تقریب الامیان مونس مولوی، معنیں دجری سید احمد شاہ و ذکر و سرفراز
بدعت کا ہے۔ کہیں یادوں کا اور مسئلہ جہاد کا پتا بھی نہیں۔۔۔۔۔ گوشت اور
ساری کتابوں کو جمع فرما کر ملاحظہ کر لے گی تو کسی کتاب میں ان کتب سے مسئلہ جہاد
کا یا بغاوت کا مدعا نہ نکلتا ہے یا فساد سکھانے کی کوئی بات نہ پڑے گی۔“
(”ترجمان و بابیہ“ ص ۵۲، ۵۱)

۷۔ کرشمہ گرم سوال است۔ لب مکن رنجہ
کہ احتیاج بہ پرسیدن زبانی نیست

ایک اور مشہور و بابی کا اعتراف ملاحظہ فرمائیے اور سوچئے کہ یہ کہیں کو دشنام طرازی کا
جھجھکتے رہیں گے۔ ان کی نوساری کتابوں میں یہ حقیقت کسی ہلکی طرح اُٹھیر آتی ہے :
”سید صاحب، مولوی اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے جہاد کرنے
کا ارادہ نہیں کیا اور مولوی اسماعیل صاحب نے کلکتہ میں اپنی مجلس وعظ میں یہ
کہہ دیا کہ ہم کو انگریزوں سے جہاد کرنا بایز نہیں۔“

(اشاعت اُسٹنٹ از مولوی محمد حسین بٹالوی،

پہلے تو سب لوگ یہ حقیقت ظاہر کرتے رہے کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل انگریزوں کے وفادار اور ایکٹھ تھے، مگر اب یہی محاذ پر فضل حق اور ان کے شاگردوں سے شکست کھانے کے بعد سیاسی طور پر مذکورہ بالا دونوں مجاہدوں کو لیڈر بنانے کی خواہش کی جا رہی ہے اس واقعے کا اعتراف ملاحظہ کیجئے:

”حضرت کی شہادت کے بعد جو حالات پیدا ہوئے... اس زمانے میں جو کتابیں حضرت شہید اور ان کے مقاصد پر لکھی گئیں، ان میں اس کو بار بار ثابت کیا گیا کہ انگریزوں کے خلاف حضرت سید احمد شہید نے کوئی حرکت نہیں کی۔“
”تحریک جہاد کا قیمتی سرمایہ ریشہ لفظ مکتوبات سید احمد شہید (از محمد اقبال سلیم گاہندی - ص ۴)

سر سید نے ایک اور پہلو سے انگریزوں سے ان حضرات کی برزورداری کی وضاحت کی ہے:

”وہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ کرنا نہایت ممنوع ہے۔“ (مقالات سر سید، حصہ نہم، ص ۱۴۸)

مسعود عالم ندوی صاحب اس تحریک مجاہدین کو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک سمجھتے ہیں، لیکن اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی کے مطابق ان مجاہدوں نے سکھوں سے جنگ لڑی، ملاحظہ کیجئے:

”اُس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری تھی، راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے ساتھ میں جا کر پناہ لی، بڑا س وقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ حکومت مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ خود انگریزی حکومت سے لڑائی مول لینا ہو گا۔“

حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعے سکھوں کو طاقت دی جاتے اسی لیے شروع شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی، لیکن پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا، تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگے مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے نبرد آزما ہونا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔

(’ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک‘ از مسعود عالم ندوی، ص ۵۵، ۵۴)
 ازراہ کرم اس اقتباس کو بار بار پڑھیے، کئی مسائل اس میں حل ہو گئے ہیں جب پنجاب پر انگریز قابض ہو جاتے ہیں، تو راجہ گلاب سنگھ پر حملے سے مجاہدین کو روک دیتے ہیں۔ شروع شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ انگریز مجاہدین کے ہاتھوں سکھوں کی طاقت توڑنا چاہتے تھے اور مجاہدین ان کی یہ ڈیلوٹی انجام دے رہے تھے اور مجاہدین کچھ نزدیک حکومت انگلشیہ سے نبرد آزما ہونا خواہ مخواہ بھی تھا اور خلافِ مصلحت بھی، اللہ اکبر!
 اب ان لوگوں کے ہاتھوں عبید اللہ سندھی صاحب کا جو حال ہو گیا، وہ تو بہر حال بدینی ہو گا، مگر انہوں نے جماعتِ مجاہدین کا گوارا، انگریزی حکومت کے نان و نفقے پر قرا دیا ہے
 دیکھ لیجئے :

’ایک دفعہ میں سرحد پار بیز کے مقام پر گیا۔۔۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعتِ مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے، اور پل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حدودِ رجا افسوسناک اور قابلِ رحم تھا، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے کس بُری حالت میں ہے اور اس کی گزراں اور اس کی زندگی کس طرح صاحبزادہ عبدالقیوم خاں کی فسط سے انگریزی حکومت کی رہن منت ہے۔‘

(انفاداتِ مطبوعات مولانا عبید اللہ سندھی، از محمد سرور، ص ۲۶۲)

”سنرات کو اپنی قدر! آپ نے کبھی یہ دیکھا کہ حالات و واقعات، مسائل نہ ہوں۔
متعلقہ لوگوں کی اپنی تحریریں، تاریخ کی کتابیں، متعلقہ لوگوں کے ساتھیوں کی شبہات و
مسائل ہوں۔ آپ انہیں مسلمات بھی سمجھیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ جہاد سے خیال نہ ہو۔
واقعات درست نہیں۔ انگریزوں کی مخالفت کا، اسماعیل و سید امیر کے، اقبال و شمس
میں کہیں ذکر نہیں، اس کا انہیں بھی اعتراف ہے۔ انگریزوں سے ان کی ہر اور بات کہ
آپ مسلمات میں سے سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ عمل میں، انگریزوں کے خلاف،
ہی تھے، سبحان اللہ!

”مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اہل لہجہ
نہیں کیا، بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا، اور یہ بھی
مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی
لیکن ان مسلمات کے باوجود بھی احترا کا یہ خیال ہے کہ حضرت شہید کی تمام
مساعی عام استیلاء، ملت اور بالخصوص انگریزوں سے جہاد حق اور استغفار
وطن کے لیے تھیں۔ ہم کسی طرح تسلیم نہیں کرتے کہ شاہ اسماعیل
شہید اپنے استاد اور علم محترم اور شیخ ایشغ (دادا پیر) حضرت شاہ
عبدالعزیز کے اس فتوے کے برخلاف، کوئی رائے رکھتے تھے۔“

(مضمون ”اسلامی حریت کا علمبردار“ از محمد میاں)

(مصنف، علامہ ہند کا شاندار ماضی)

(کتاب ”شاہ اسماعیل شہید“ مرتبہ عبداللہ بٹ - ص ۱۹۲)

انگریزوں

کی

دعوتیں!

خم پر خم پی گئے ہیں اک حضرت

پیٹ ہے یا پکھال چمڑے کی

”تحریک مجاہدین کے رہنماؤں کا انگریزوں کے خلاف جہاد کے بارے میں موقف سامنے آپکھ ہے۔ انگریزوں سے ان کی وفاداری کے اعلانات اور واقعات پیش کیے جا چکے ہیں۔ انگریزوں کی ہوس اقتدار سے نبرد آزما لوگوں کو یہ مجاہد برا سمجھتے ہیں اور اس بات کا برملا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی عمل داری میں دین کو جو ہر طرح سے خیریت ہے، اس کے بعد انگریزوں سے جنگ لڑنا ان کے مذہب کی رو سے جائز نہیں اور ہر بات پر انگریزوں کی وفاداری اور خدمت گاری کا اعلان کرتے رہے۔“

اب آپ مصوٰر ان معتبر کی بنائی ہوئی تصویر کے علی الرحمہ شاہ اسماعیل اور سید احمد کی ذات کے اس پہلو کی عکاسی ملاحظہ کریں، ہمیں ان کے ساتھ انگریزوں کے مراسم ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے انگریز سرپرستوں کو ان کی تحریک کی کامیابی کے لیے کتنی جلدی تھی وہ انہیں کھلا کر تیار کرتے تھے اور یہ بھی انگریزوں کا مال شیر باد کی طرح دکار لیے بغیر منعم کر جاتے تھے۔

مارا ہوس صحبت جاں پرور یا راست

ورنہ عرض از باد، نہ مستی نہ خمار راست

سب سے پہلے قسید احمد بریلوی کے سب سے عظیم سوانح نگار کی زبان سے دعوت کھانے کی بات سنئے: ”ایک انگریز کا سارے قافلے کی دعوت کرنا“ کے زیر عنوان لکھا ہے،

ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا ہنگیوں میں لکھوائے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے نکستی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ بعد سلام و مزاج پُرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر شریف آوری حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے، سو آج انہوں نے مجھ کو خبر دی یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کئے لایا ہوں۔ براہ بندہ فوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو، قریب دو گھنٹی تک وہ انگریز حضور میں حاضر ہوا۔

(سوانح احمدی، از جعفر بخاری ص ۴۹)

جعفر بخاری صری صاحب کو تو اسی قسم کی حقیقتیں لکھ جانے پر دستوں نے غلط گو قرار دے ڈالا ہے، لیکن انگریزوں کی روٹیوں پر گزارا کرنے کا یہ سدا واقعتاً ان صاحب کے علاوہ ایک ایسے صاحب بھی لکھتے ہیں جو نہ صرف چشم دید گواہ ہیں، بلکہ شریک طعام بھی تھے، کیونکہ سید احمد بریلوی کے سگے بھانجے ہیں، سید محمد علی۔

لرز رہی ہے مری لو پڑے پڑے ہی لہر

وہ لے چلے ہیں کہاں سامنے ہوا کے نبھے!

سید محمد علی کے بارے میں غلام رسول قہر لکھتے ہیں:

”سید صاحب (سید احمد بریلوی) کے چار بھانجے تھے، بڑے سید محمد علی بن بڑوں نے ابتدا سے آغاز جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام ”محررین احمدی“ رکھا۔ وہ ایک مرتبہ چھپ بھی گئی تھی، مگر اب کیاب بلکہ نایاب بھی ہے۔“

(افادات مہر ص ۱۳۹)

اب دوبارہ چھپ گئی ہے اور مکتبہ قادریہ اندرون لہور سی دروازہ لاہور سے مل سکتی ہے

س نایاب کتاب کا ایک نسخہ مکتبہ محمد موسیٰ امجدی (بانی و صدر مرکزی مجلس
 لاہور) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو،

انگریزی کے واسطے مع چند محافل و اجتماعات متعلق کشتی رسید و پرسید کہ
 پادری صاحب کجاست حضرت انکشتی جواب دادند کہ ایس جساموجوم
 تشریف بیارند فی الفور از اسب فرو آورده و کلاه خود بدست خود پیمناں
 کشتی رسید و بعد از پرسش حال یک دگر بعضی رسانید کہ از سر و زخم خود این ما
 برائے اخبار قافله تشریف ہمراہی حضرت موجود بود امروز خبر آورده اند کہ اغلب کہ
 حضرت مع قافلہ امروز مجازات مکان شما فروکش خواهند شد بجز وہاں بود حضرت
 جاوید برائے ترتیب ماحضری تا غروب آفتاب مشغول بودم، بچوں طیار گردید بخت
 حاضر آوردم، حضرت ملازمان را امور ساختند تا آن طعمہ را از ظروف ادا فی
 ایشان برآورده و ظروف خویش بگنبد ما موریں حسب الامر آورده در قافلہ تقسیم ساختند
 (”مخزن احمدی“ از سید محمد علی ص ۶۷)

(مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ)

یہی واقعہ ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد حسنہ اول میں تحریر کیا ہے (ص ۲۱۷-۲۱۸)
 ظاہر ہے کہ ہر روز جو انگریز ان کی دعوتیں کرتے تھے، ان سب کا ذکر تو نہیں کیا جاسکتا تھا
 مگر چونکہ یہ ایک آدھ بار کا واقعہ نہیں، اس لیے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:
 ”موضع اسرولی سے پانچ میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی
 بندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی انہوں نے انکار کر دیا پھر
 فرسٹی آیا، تو آپ نے فرمایا تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے۔ سو آپ
 نے دعوت قبول فرمائی، اس دن اس کی دعوت کھاتی۔“

”سیرت سید احمد شہید“ حصہ اول، ص ۲۰، ۲۱۹

ماشے میں ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس انگریز کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لیے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی، یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا۔ (ص ۲۲۰)

اب اس سوال کو تو علمائے دین ہی حل کر سکتے ہیں کہ ان انگریز غاصبوں کا مال کھانے کا کیا جواز تھا، جنہوں نے اسلامیان ہند سے مختلف حربوں کے ذریعے حکومت چھین لی تھی اور مختلف غیرت مند طبقے ان کے اقتدار سے بیزار تھے اور یہ بات بھی علمائے کرام ہی بتا سکتے ہیں کہ جو ہندوستانی بی بی کسی انگریز کے پاس ناجائز طور سے رہتی تھی، اس کا کھانا ناجائز ہو تو جو انگریز کسی ہندوستانی عورت کو مدخلہ گورنمنٹ کیجے ہوئے ہو، اس کے کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ پھر یہ بات بھی اصرار نہیں ہے کہ اس کھانے کے عمل میں اس ہندوستانی بی بی کا عمل دخل کس طرح ختم ہوا تھا۔

بہر حال انہوں نے داشتہ کا کھانا قبول نہیں کیا، زنا کارا انگریز کا کھانا قبول نہایا آخر یہ بھی تو دیکھنا ضروری ہے کہ کیا کھا ہے، کوئی غلط چیز تو نہیں کھا گئے۔

حریف سانی و دوری نہ ای خطا ایں جا ست

تمیز نا خوش و خوش می کنی بلا ایں جا ست

مگر میں تو اس مسئلے میں الجھا ہوا ہوں کہ سید احمد صاحب سفر کے عالم میں تھے، فوجی بگڑ چکے تھے، ایک ہندوستانی بی بی آئیں، تو یہ بات انہوں نے کیسے جان لی کہ وہ خاتون کون ہے اور کس انگریز کی داشتہ ہے اور انہیں انگریز کی دعوت قبول کرنا ہے، خاتون کی نہیں کہیں اہل اہم کے بعد یہ صورت اپنے عالم الغیب ہونے کی تو نہیں؟

اب ایک اور مسئلہ توجہ طلب ہے کہ انگریزوں کے یہ مخالف فوج اکٹھی کرتے رہے لوگوں سے ٹیکس وصول کرتے رہے۔ فوج لے کر اسلام کے تحفظ کی جنگ لڑنے لگے اور سرحدی مسلمانوں کے علاقے کی طرف چل پڑے۔ طویل سفر ایک مدت میں انہوں نے طے

کیا۔ انگریزان تمام معاملات میں کبھی ان سے نہیں اُجھے، انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ فوج کو لے کر کدھر جا رہے ہو۔ وہ راستے میں ان کے کام و دہن کی تواضع میں بھی مصروف رہے اور انتہا یہ ہے کہ جب یہ لوگ سرحدی علاقے میں پہنچ گئے تو ان کی کچھ ہنڈیاں، تو انگریزی علاقے میں تھیں، ان کی رقوم وصول کر کے انگریزوں نے انہیں سرحد بھیجوا دیں، انگریز اپنے دشمن کے ساتھ اتنا محبت کا سلوک کرے، تاہم پنج میں پہلے تو یہ بات کبھی سامنے نہیں آئی، لیکن یہ تاریخ تو ہماری اپنی ہے، ہم جیسے چاہیں گے بنائیں گے۔

”سید صاحب جہاد میں مصروف تھے، اس وقت ایک ہنڈیا ت

ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکارانِ دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب بنام

سید صاحب روانہ ہوتی تھی، ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اسات ہزار

کی واپسی کا دعویٰ عدالتِ دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری ہوا، پھر ہنگامِ اپیل

عدالتِ عالیہ دیوان بانی کورٹ آگرہ میں بھی حکم ڈگری بحکم مدعی بحال رہا۔

(تواریخِ عجمیہ، از جعفر تھانیسری، ص ۸۹)

تھانیسری صاحب نے تو مشے نمونہ از فرارے ایک ہنڈی کی ادائیگی کا ذکر

کیا ہے۔ خود غلام رسول قہر نے اس سلسلے کو بہت طویل قرار دیا ہے۔ یہ ہنڈی ہی کا ذکر نہیں

ہنڈیوں کی بات ہے۔

”سید احمد شہید کے پاس ہندوستان سے جو ہنڈیاں آئی تھیں ان میں

اشرفیوں کا بھی ذکر ہے اور روپوں کا بھی۔“

(افاداتِ قہر، از ڈاکٹر شیر بہادر خان پٹی)

(مکتوب مرقوم، ۱۸ جنوری ۱۹۶۲ء، ص ۹۵)

انگریز کے جاسوس

لوگ اکثر اپنے چہروں پر چڑھالیتے ہیں خول
تو جسے سونا سمجھتا ہے کہیں پتیل نہ ہو

ان تمام حالات و واقعات کی بنا پر جو اظہار من الشمس ہیں اور جن کو چھپانے کی کوشش کے باوجود قلم کا ان عصر حاضر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے، اگر سرحدی مسلمانوں نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان اور ان کے ہمراہیوں کو انگریز کا جاسوس سمجھا تو ظاہر ہے کہ غلط نہیں سمجھا، کوئی ایک بات بھی تو اس حقیقت کی تردید نہیں کرتی:

”جب حضرت شہید بعزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے، جو اس وقت انگریزی عمل داری میں نہ تھے، تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بنا پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوش گوار تھے۔“

(حاشیہ مقالات سر سید، حصہ شانزدہم)

(از محمد اسماعیل پانی پتی، ص ۲۵۱)

خود غلام رسول مہر کو یہ ماننا پڑا ہے کہ سرحد کے علماء نے سید صاحب کو انگریزوں کا

جاسوس قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا:

”وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں، ایک نیا دین

انہوں نے نکالا ہے، کسی ولی اور بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں

انگریزوں نے انہیں تمہارے ملک کا مال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس
 بنا کر بھیجا ہے، ان کی باتوں میں دانا، عجب نہیں، تمہارا ملک چھینوا دیں۔“
 (سید احمد شہید، حصہ دوم، از غلام رسول مہر، ص ۲۸۰)
 ”کارو میں جوان شاہ سید صاحب سے ملاقات کے
 لیے آئے اور ایک بڑا بھینسا بطور نذر پیش کیا۔ انہی سے معلوم ہوا کہ لوگ
 عام طور پر سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں، اسی لیے بدکتے
 ہیں۔“

(سید احمد شہید از غلام رسول مہر، ص ۳۹۷)



انگریزوں کے خلاف

جہاد کے بارے میں

ولابیوں کا موقف

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام رُوح

دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے کاس میں

دہلیوں کے عظیم قائد سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ مجتہد حضرت عمر الفاضلؒ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی گفتار و کردار سے انگریز دوستی شکستی رہی۔ انہوں نے انگریز کا فوجی رعبا ہونے کا فخر یہ امان میں اعلان کیا۔ انگریز کے مقاصد حکمرانی کے لیے جہاد کیا تو کوئی دہر نہیں کہ ان کے پیروا ہی کے نقوش قدم کو مشعل راہ نہ بناتے۔

”جنگ آزادی کے مخالف کون“ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جنگ آزادی میں دہلیوں کے مخالفوں نے حسد لیا اور یہ لوگ سرٹیفکیٹوں اور نقد انعامات کے پیچھے پڑے رہے۔ پھر یہ کیوں نہ ہوتا کہ دہلی انگریز کی وفاداری پر افتخار کا اظہار کر سکیں اور اس کے خلاف جہاد کو خلاف اسلام قرار دیں۔

فریب دینے کی توفیق ہے تو دے دیجیے

کہ زہر جان کے پینا مرا شعرا نہیں

”مولوی محبوب علی دہلوی نے زمانہ غدر کی لڑائی کی نسبت جس میں بہت ناواقفان نے ان کو شریک کرنا چاہا تھا، جہاد ہونے کا انکار کیا، اور مولوی محمد حسین لاہوری بھی اب تک بذریعہ پرچہ اشاعت اس سلسلہ جہاد کا نصیب گورنمنٹ ہند کے انکار کرتے ہیں۔“

(سول اینڈ میٹری گزٹ، لاہور، ۱۰ نومبر ۱۹۷۶ء)

ماہ نظر فرمائیے نواب صدیق حسن خاں برٹش گورنمنٹ کی کاسہ لسی کو سرکارِ دہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرار دیتے ہیں اور انگریز کے خلاف جہاد میں مصروف علماء خواص اور عوام کو فسادِ دی اور عاقبتِ نااندیش کہتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! آپ کو انگریز کی نمک حلائی کرنی ہے، تو کیجئے۔ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کا ارشاد آپ نے انگریزوں کی حمایت میں کہاں سے نکال لیا؟

”پس ذکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکمِ مذہبی سے جا مل ہیں اس امر میں کہ حکومتِ برٹش مٹ جاوے اور یہ امن و امان جو آج حاصل ہے۔ فساد کے پردہ میں جہاد کا نام لے کر اٹھادیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے، بھلا ان عاقبتِ نااندیشوں کا پالہ ہوگا، یا اس پیغمبرِ صادق کا فرمایا ہوا جس کا کہا ہوا آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔“

(ترجمانِ دہلیہ از نواب صدیق حسن خاں، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ ص ۷)
آج کے دہلیت خواہوں سے پوچھیے کہ کیا امن، کونسی آسائش اور کہاں کی آزادگی آپ انگریزوں کے زمانہٴ اقتدار کی ثابت کر سکتے ہیں، مگر نہیں، اگر یہ لندن میں ہوں تو پھر بھی یہی فتویٰ دیں کہ سرکار کی خوشنودی جن مشکلات کا باعث ہوتی ہے،
”جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومتِ انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی ہے، کسی حکومت میں نہ ملتی۔“

(ترجمانِ دہلیہ، ص ۹)
مولوی محمد حسین ثالوی دہلیوں کے مایہ ناز عالم ہیں۔ انہوں نے اسلام کے جہاد کی قطعی یوں کھول دی ہے کہ اپنی کتاب کے سرورق پر یہ لکھا ہے،
”پنجاب کے نامور بہادر و عزیز لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایبکس صاحبِ ہاؤس

کے سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اس کا ڈیٹیکٹ ہوئے نظر فرمایا اور اس میں مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و شرح ہوئی ہے، جس کی نظیر اس وقت تک کسی کتاب میں جو اس باب میں تالیف و مطبوع ہو چکی ہیں، پائی نہیں گئی۔
”التمناکس“ کے عنوان سے لکھا ہے،

”تم ان ناموں کو بشمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعت السنۃ گورنمنٹ میں پیش کریں گے، اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت ان کی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب خوب شہرت دیں گے۔“

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد، حصہ اول،)

(از ابو سعید محمد حسین لاہوری، مطبوعہ وکٹوریہ پریس،)

”بعض سرحدی نادان ناواقف از احکام اسلام و قرآن تنہا ایک سر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہیں اور کسی کیمپ یا چھاؤنی انگریزی میں پہنچ کر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہیں، پھر اس کی سزا میں پھانسی پاتے ہیں، یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عداوت ہے۔ ایسی صورتوں سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے اور بہشت کی خوشیوں سے محروم رہنا اور ایسے فسادوں کو جہاد سمجھنا اور اس میں شہادت کی کہی کرنا امر سر جہالت و حماقت ہے۔“

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد، ص ۷۱،)

علامہ رسول مقبرہ ابن محمد حسین بنالوی کے متعلق یہ مانتے پر مجبور ہیں،
مولانا محمد حسین بنالوی نے یقیناً جہاد کے خلاف لکھا تھا، یہ سرسید کا اثر ہو یا مولانا کی رائے بجا تھے خود یہی ہو۔۔۔۔۔“

(افادات مقبرہ، ص ۲۳۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بھی "انٹریزوں سے جہاد کے خلاف لکھا جو اس طبقے کے لیے نئی بات نہیں، اصل میں جب آپ انٹریزوں کی وفاداری کے میدان میں کھیلنے کے دہنی ہیں، تو پھر آپ ایسے معاملات میں خاموشی کو شعار کہیں نہیں بنائے کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہیں، تو صورت عجیب ہو جاتی ہے۔

تم چپ رہو تو اس میں تمہارا بھرم بھی ہے
یوں سب کے سامنے تو نہ ہکلاؤ دوستو!

اس کے بعد غلام رسول مہر نے ایک اور اہل حدیث رہنما شہداء احمد قسری کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ۱۹۲۲ء میں لاہور میں ہونے والی اہل حدیث کانفرنس میں سیکرٹری کی حیثیت سے اغراض و مقاصد کی پہلی شق پیش کی تھی،

"حکومتِ برطانیہ سے وفاداری"

اسے کہتے ہیں، "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"



انگریزوں کے ایما پر

سکھوں سے لڑائی

جلوۂ کاروانِ مانیست بہ نالہ جرس

عشقِ توراہ می برداشتوقِ تو زادمی دہد

جب تحریک مجاہدین کے قائدین نے اپنی سرگرمیوں کا رخ تصنیف و تالیف سے جہاد کی طرف موڑا، اس وقت تحریک کے قائدین خود اور ان کے ساتھی، ان کے پرنسپل یہی کہتے تھے کہ ان کی لڑائی سکھتوں اور منافق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ انگریزوں کے ساتھ نہیں۔ اب ہمارے دوستوں نے اس لڑائی کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دینے کی کوشش کی ہے۔ میری یہ بات بھی گزشتہ گفتات کی طرح بے دلیل نہیں ہے۔ تحقیق جدید کے سب سے بڑے داعی غلام رسول تہرہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ گزشتہ سوا سو سال سے یہ سمجھا اور کہا جاتا رہا ہے کہ ان مجاہدوں کی لڑائی سکھوں سے تھی، لیکن اب وہ یہ کہتے ہیں کہ انگریزوں کے خلاف تھی۔ یاد رہے کہ سوا سو سال کا مطلب سوا سو سال ہی ہے، یعنی تحریک کے زمانے سے لے کر اب تک سب لوگوں کو یہی علم تھا، انکشاف اب ہوا ہے۔ سوچنا چاہیے کہ یہ انکشاف مہر صاحب پر کشف کی صورت میں تو نہیں ہوا، ان کے مددگار سید احمد صاحب کو نوزاد اللہ الامام ہوتا تھا، کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ایما پر سکھوں کے خلاف نہیں تھی، بلکہ خود انگریزوں کے خلاف تھی

برچہ حقیقت اگر ماند پرودہ

جرم نگاہ دیدہ صورت پرست ملت

”آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا

جا رہا ہے۔“ (سید احمد شہید از غلام رسول تہرہ، ص ۲۵۰)

شیخ محمد اکرام نے "موج کوثر" مطبوعہ فیروز سنز لاہور کے صفحہ ۱۶ پر سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر عثمانی سری، تاریخ پنجاب از ایس ایم لطیف اور THE PUNJAB BARRETT HUNDREDEARS AGO کے حوالے سے بتایا ہے کہ اثنائے راہ ملک پنجاب سید احمد بریلوی نے سکھوں کے مظالم دیکھ کر فرمایا کہ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔

مشہور مستشرق گارسن ڈناسی سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتا ہے،
 "وہ بیس سال کا عرصہ ہوا کہ سکھوں کے خلاف جہاد کرتا ہوا مارا گیا۔"
 (طبقات الشعراء ہند)

(تلخیص تاریخ ادب اردو از گارسن ڈناسی، ص ۲۹۵)

(مطبوعہ ۱۸۴۸ء)

"سید احمد بریلوی نے سکھوں کے خلاف جو جہاد کیا تھا، شاہ اسماعیل اس میں ان کے دست راست رہے۔"

(اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لاہور، ص ۹۸)

دوسرے مقام پر ہے :

سید احمد شہید بریلوی نے لوگوں کو توحید اور ترک بدعات کی تلقین کی... انہی نوں پنجاب میں سکھوں کے ظلم و ستم کی رودادیں سننے میں آئیں تو آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۶۶)

ہزارہا مومن حضرت سید احمد شہید بریلوی کی غنائے جہاد پر لبیک کہتے ہوئے ان کے پرچم تلے اکٹھے ہو گئے اور ۲ دسمبر ۱۸۲۶ء کو ظالم سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا۔ یہ جہاد پانچ سال سے زیادہ عرصہ تک جاری

۱۰۰۰ اس کے بعد مجاہدین میں اندرونی اختلافات رونما ہونے لگے۔

(ماہنامہ ماہ نو، اچھی، تحریک پاکستان نمبر ۱۲، ص ۵۱۲)

”مولوی شاہ اسماعیل نے اپنے غازیوں کی معیت میں پشاور کے نزدیک
ہشت نگر میں کچے عرصہ قیام رکھا اور پھر پرچم محمدیہ اٹھا کر سکھوں کے خلاف
اعلان جنگ کر دیا۔“

(انیسویں صدی کا مجاہد مصلح، از ڈاکٹر محمد باقر)

(کتاب شاہ اسماعیل شہید، مرتبہ عبداللہ بٹ، ص ۴۶)

السیگزینڈر گارڈنر لکھتا ہے:

”بابوڑ میں یہی آمد سے کوئی چار سال پہلے انہوں نے (سید احمد نے)
پشاور اور اٹک کے درمیان یوسف زئی کے پہاڑوں پر پیغمبر کا سبز پرچم لہرایا
اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔“

(انیسویں صدی کا مجاہد مصلح، ص ۱۰۰، ایضاً، ص ۴۸)

”تحریک کے شیدائوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند
کر دیا، وہ عین حالات کا تقاضا تھا، تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ
وہ انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرتے۔“

(”چند تاریخی غلطیاں از ابوالمعالی“)

(کتاب شاہ اسماعیل شہید، ص ۲۲۲)

ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر غاصب حکمرانوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہ ہو تو ان
غاصب حکمرانوں کے مخالفوں سے ٹکرا جانا چاہیئے۔ اگر ہندوستان بھر پر قبضے کی راہ میں جہاد
کی رکاوٹ (سکھ) دور نہ ہو تو ان غیرت مند اور جیسے سرحدی مسلمانوں کے خلاف ”جہاد“
کر دینا چاہیئے تو ہر بیرونی طاقت کو ہمیشہ ناکوں سے چنے چواتے رہے ہیں یہ کس قسم کا جہاد ہے

مری پائمالیوں کو یہ وفا کا جُل غلا ہے
کوئی اور آڑے کر کوئی اور چال چلے

”مخبر میں امام محمد بن عبد الوہاب کی نامیاں نے شاہ اسماعیل کی بہت اور
جرات اور بھی بڑھادی، میدان جنگ منتخب ہوا، قرعہ خال بالا کوٹ کے نام
نکلا۔ ہندوستان بھر کے مجاہدوں جمع ہوئے، لگے اپنے آباد اجداد کے
خیالات کے مطابق شاہ اسماعیل ہندوستان میں پاکستان یعنی خلافت اسلامیہ
کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔“

(مضمون ”مخبر و احیائے ملت“ از پروفیسر عبدالقیوم)

(”کتاب شاہ اسماعیل شہید“ ص ۱۴۲)

یہ کیسی خلافت اسلامیہ ہے، جس کی بنیاد اسلام کے انہی دشمن نصاریٰ کی امداد سے
رکھی جاتی ہے جو نصاریٰ کے مخالفین سے جنگ کرنا سکھاتی ہے جو مسلمانوں کو فرقوں
میں تقسیم کرتی ہے۔ یہ کار و عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو دلوں سے مٹانے کے لیے
کوشاں ہے۔

چہ قیامت است جانان کہ بعاشقان نمودی

رخ ہم چو ماہ تاباں، دل ہم چو سنگ خارا

”انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے لیے سکھوں
پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے
باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت
ایک لاکھ سے تجاوز ہوئے لی، تو آپ کی جمعیت میں علماء کے متعلق اختلاف
پیدا ہوا یا کروادیا گیا۔“ (اسلامی حریت کا علمبردار، از محمد میاں)

(”کتاب شاہ اسماعیل شہید“ ص ۱۴۴)

عقائد کے متعلق اختلاف تو اسماعیل دہلوی صاحب کی ابتدا تھی۔ اس تحریک کی اساس ہی مسلمانوں کی دین اور غیر دین سے محبت کو کم کرنے پر تھی، چنانچہ اسماعیل دہلوی کی "تقویۃ الایمان" کے رد میں بے شمار کتابیں فوراً لکھی گئیں۔

پھر یہ حقیقت بھی ایک بہت بڑا سوال ہے کہ ایک لاکھ کی جمعیت انگریزوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کیسے رہی اور وہ اس سے صرف نظر کس مقصد کی خاطر کرتے رہے؟

محمد میاں مصطفیٰ علمائے ہند کا شاندار ماضی، اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

الحاصل انگریزی حکومت نے ہندوستان کے تمام صوبوں پر منبوطی سے

قبضہ کر لیا۔ صرف پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد اور ملتان اس کے اقتدار سے

خالی تھا، مگر اس پر سکھوں کے قبضے نے شمال مغربی ہندوستان اور اس کے

آس پاس کے مسلمانوں کی راہ بند کر دی تھی۔ (شاہ اسماعیل شہید، ص ۱۸۵)

اور تحریک مجاہدین کا میدان کارزار پنجاب اور سرحد بنے جو انگریزوں کے مکمل ہندوستان پر

کنٹرول کے راستے میں رکاوٹ تھے اور مجاہدوں کے کئی سیرت نگاروں کے بقول "کشمیر

جانبے کا ارادہ بھی کرتے تاکہ انگریزوں کا کوئی مخالف ایسا نہ رہ جائے، جن سے یہ جہاد نہ کر لیں۔

"مسلمانوں کی مذہبی روایات خطرے میں تھیں، شاہ شہیدان کی جماعت

اس بارود میں چنگاری پھینکنے کا انتظار کر رہی تھی۔ انہوں نے اس موقع سے

فائدہ اٹھایا اور رنجیت سنگھ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔"

(اسلامی انقلاب کا علمبردار از سعید احمد ٹیڈر بٹل،

کتاب شاہ اسماعیل شہید، ص ۱۷۳)

کبھی کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کے خلاف بھی تو جہاد کر لیا ہوتا)

"مکاتیب سید احمد کی اشاعت کا مقصد محمد جعفر تھانی سیری مؤلف مکتوبات

سید احمد شہید یوں بیان کرتے ہیں:

”سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ظالم سکھوں سے تھا جنہوں نے
اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ سرکار انگریزی سے؟
(”مکتوبات سید احمد شہید“۔ ص ۲۱۰)

مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

”اسمائل دہلوی نے) اس عزم کا اظہار کیا کہ سکھوں کے خلاف جو مسلمانوں
کو پنجاب اور سرحد میں نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے، جہاد کی کٹھن میں
شاہ صاحب کے شریک رہیں گے۔ ۱۸۲۵ء میں سید صاحب اور شاہ صاحب
اس فیصلہ کن جہاد کی راہ پر چل پڑے، ان کی معیت میں سات ہزار سرفروش
مسلمان تھے۔۔۔۔۔ ایسے سخت اور قوی دشمن کے مقابلہ پر جیسے سکھ تھے۔
(”عبد الف ثانی سے سید احمد شہید تک از محمد علی عثمانی)

(ماہنامہ نوکراچی، خاص نمبر یادگار تحریک آزادی ص ۱۴)

اس میں ایک وضاحت طلب بات یہ ہے کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا جو مسلمانوں کو
نیست و نابود کرنا چاہتے تھے، تو سرحد کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی خواہش میں اپنے جہاد
کار خ انہوں نے ان کے خلاف کیوں کرنا چاہا۔ دوسرا سوال وہی ہے کہ غازی میں جو سات ہزار
فوج تھی، اس سے انگریزوں نے تعرض کیوں نہیں کیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حکومتیں اپنے
مخالفوں کو تسلیم فوج بنانے دیں انہیں سہولتیں فراہم کریں۔ خصوصاً انیسویں صدی کے آغاز میں
انگریز اس فوج سے صرف نظر کر سکتے تھے (اگر یہ خود ان کے ایمار پر نہ بنائی گئی ہوتی)۔
تو لطف تماشا لیتا جا، مت ڈھونڈھ سراغ اصلیت
”تصنیف کے صورت خانے میں کچھ دیم کچھ سچائی ہے

سید صاحب خود وضاحت کرتے ہیں کہ ان کی لڑائی سکھوں کے خلاف ہے مگر آج کے
محققین سے تو یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اسے سید صاحب کا خطابی تسلیم کرنے سے انکار کریں۔

یہ موقف اختیار کر لیں کہ انہوں نے انگریز کے ڈر سے مصلحتاً حجت بول تھا یا یہ کہ ان الفاظ میں بین السطور یہی کہا گیا ہے کہ وہ انگریز کے مخالف تھے اور اسی سے لڑنا چاہتے تھے۔
 ”آپ کے ذہن و دماغ پر اس خاکسار کا معاملہ آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ میں قوم سکھ بیٹے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے لیے مامور ہوں اور فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

دکھتوب ۵۲ بنام فیض اللہ خان مہند مشیر و دیر وانی پشاور،

(دکھتوب سید احمد شہید، ص ۲۷۲)

وعدہ کس نے کیا تھا پورا نہیں ہوا، خدا کا وعدہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور یہاں فتح و نصرت تو دور کی بات ہے، سید صاحب اور بھٹیل صاحب کی باتیں بھی گئیں کہیں یہ وعدہ انگریز حکام نے تو نہیں کیا تھا تو ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہوا، مگر انگریز کی حکومت تو مضبوط اور مستحکم ہو گئی ہے

میں اپنی بے خبری سے شکیبہ آف ہوں

بتاؤ بیچ میں کتنے تمہاری پگڑھی میں!

امیر المومنین صاحب کا اعلان عام ملاحظہ ہو، اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ان پر انگریز دشمنی کی تہمت لگائی جائے۔

اعلام از جانب امیر المومنین سید احمد صاحب میں ہے،

”نہ تو ہم کو مسلمان امراء میں سے کسی کے ساتھ کوئی تنازعہ ہے اور نہ کسی مسلمان رئیس سے مخالفت ہے ہمارا مقابلہ کفار العینوں سے ہے نہ مذہب و دین اسلام سے، بلکہ صرف لادینہ بال ولے سکھوں سے ہماری جنگ ہے۔ کمرہ گویوں اور اسلام کے طالبوں سے نہیں ہے اور نہ سکھ اور انگریزوں سے ہم کو کوئی مخالفت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں، بلکہ

ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔“

(مکتوبات سید احمد شہید، مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲)

(مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

دیکھ لیجئے، غلام رسول تہرادر دوسرے متجددین تاریخ کے ”امیر المومنین“ وہ ہوتے ہیں، جو انگریز کی وفادار رعایا بننے پر فخر کریں، اس کے مخالفوں سے لڑنے کو اپنی زندگی کا مقصد جانیں،

”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کا حال دیکھیں۔“

”ج۔ کے بعد پھر وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر اب کے اصل زور

جہاد و ہجرت پر تھا۔۔۔۔۔ اس وقت پنجاب سکھ شاہی کا زور تھا۔“

(”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ ص ۳۲)

اور یہی زور ختم کرنا مقصود تھا، اسی مقصد کے حصول کے لیے آپ کو ”مامور“

کیا گیا تھا۔

”سید صاحب کی دعوت کا اہم عنصر جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہی چیز

اس تحریک تجدید و جہاد کو نجد کی دعوت توحید سے خاص طور پر ممتاز کرتی ہے

سید صاحب کا کوئی وعظ یا مکتوب ترغیب جہاد سے خالی نہیں ہوا۔ انہوں نے

صرف وعظ پر اکتفا نہیں کیا، اور اپنے مریدوں کے ساتھ گھر بار چھوڑ کر

سرحد تشریف لے گئے۔“ (ایضاً، ص ۴۰، ۳۹)

”پنجاب میں سکھوں کے ساتھ آپ نے کئی جہاد کیے، مگر بعض لوگوں

کی بے وفائی کی وجہ سے آپ اپنے پیر سید احمد شہید کے ہمراہ لڑتے

ہوئے ۱۲۴۶ھ میں بمقام بالا کوٹ زخمِ تفتنگ سے شہید ہوئے۔“

(”تاریخ اہل حدیث، از محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، ص ۴۴)

یہ بے وفا، دہی لوگ ہیں جن کو سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی ساری عمر منافق
مشرک اور کافر قرار دیتے رہے جن کے عقائد سے توحید کو خطرہ لاحق رہا جو انگریز بیٹے عادل
حکمرانوں سے ساری عمر لڑتے رہے۔ اللہ اکبر!

اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہو کہ شاید ان مجاہدین کی تیاریوں، ان کی فوج، ان کے نظام
حکومت کا انگریز حکام کو علم نہیں تھا، تو وہ اپنی غلط فہمی رفع کر لے۔ انگریز حکام کا کہنا تھا
کہ ہم نے ان پر اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ ایسے میں جب انگریز ان مجاہدوں کی نقل و
حمل سے پوری طرح واقف تھے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ انگریزوں
ہی کے ہیما پر سکھوں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جا رہے تھے، ورنہ حکام
کسی طرح اس کی اجازت نہ دیتے اور پھر ان مجاہدوں کو انگریزوں نے جتنی سہولتیں
دے سکتے اور سرحد پہنچ کر بھی دی ہیں، ان کو بھی ذہن میں رکھیں، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

”کچھ شیعہ صاحبان نے ایک فتنہ کھڑا کر دیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ
چند سہ راہ دورہ شیعہ پٹنہ کے ایک انگریز افسر کے پاس گئے اور شکایت
کی کہ سید صاحب جہاد کی نیت سے دورہ کر رہے ہیں۔ انگریز افسر نے
جواب دیا، یہ پادری صاحب جن کے متعلق یہ شیعہ حضرات الزام لگاتے
ہیں، بہت دیندار حقانی شخص ہیں، کیونکہ جاسوس ان کے حل کی تلاش میں
رہتے ہیں، ہم سے کسی نے یہ بات اب تک نہیں کی ہے۔“

(”وقائع احمدی“ قلمی نسخہ، ص ۷۹)

(بحوالہ علامہ ہند کا شامدار ماضی، جلد ۳، ص ۱۴)

اسی واقعے کو ابوالحسن علی ندوی ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں:
”علیم آباد پٹنہ کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جا کر کہا
کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آتے ہیں، ہم نے سنا ہے،

کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے۔ حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کی جائے۔ ۹

(سیرت سید احمد شہید، حصہ اول، ص ۲۴۲)

یہ خود انگریزوں کی فرماں بردار رعایا ہونے کا اعلان کرتے ہیں، انگریز ان کے خلاف کسی ایسی تہمت کو برداشت نہیں کرتا، انگریز کے جاسوس ان کی ٹوہ میں رہتے تھے کہ یہ واقعی فرماں بردار ہیں یا اس فوج کو ہمارے خلاف کبھی استعمال کرنے کی خواہش تو ان کے سر میں پیدا نہیں ہوتی اور ان جاسوسوں کی رپورٹوں سے اتنے مطمئن ہیں کہ تعصب حسد اور مفسدانہ باتوں پر ان کے مخالفوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ ایسے میں آج کے لوگ ان مجاہدین کے خلاف یہ مفسدانہ بات کس طرح کرتے ہیں۔

سید احمد بریلوی کے سب سے بڑے سوانح نگار جعفر خان میسرے سکھوں پر جہاد کا وعدہ شروع ہونا کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”اس وقت ہر شہر و قصبہ و گاؤں برٹش انڈیا میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعدہ ہوتا تھا، مگر براہِ دوراندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر ضلع شمالی مغربی کو بھی اس تیاری جہاد سکھوں کی اطلاع دی گئی، جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو، ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔“

(سوانح احمدی، ص ۷۰)

یعنی انگریز افسروں کی تحریری اجازت سے یہ جہاد کیا گیا۔ پھر یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوا یا جہاد فی سبیل انگریز؟

جس غلام علی صاحب کا اوپر کے اقتباس میں ذکر ہوا ہے، ان پر سربراہ مجاہدینؒ کو کس قدر اعتماد تھا اور وہ ان کی کتنی خدمت کرتے تھے، یہ بھی دیکھئے،

”یہ شیخ غلام علی وہ ہیں جنہوں نے پورے بارہ روز تک قافلے کی تحفہ ضیافت کی، بیش قیمت نذریں گزرائی اور میٹوں، پوتوں اور مستورات اور اپنے علمے اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہوئے۔“

(سیرت سید احمد شہید، حصہ اول)

(از ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۲۲)

آپ نذر و نیاز کے ان مخالفین کے اس پہلو کی طرف توجہ نہ دیکھئے۔ صرف سیاست کا حال دیکھئے۔

یہ بات صرف تھانوی سری صاحب ہی نے نہیں کہی۔ شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف ”موج کوثر“ کے صفحہ ۸ پر یہی واقعہ نقل کیا ہے اور علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۶۸ پر یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد سید محمد میاں لکھتے ہیں،

”بہر حال انگریزوں نے اس وقت سید صاحب کے اس غلامیہ جہاد

اور اس کی تیاری پر کوئی رکاوٹ نہیں کی۔“

سر سید احمد خاں بھی انگریزوں کے ساتھ سید احمد و اسماعیل کے رابطہ اور تعلق

کی بات اسی نے میں دہراتے ہیں اور سر سید احمد کی اس بات کو طفیل احمد منگھوری بھی اپنی کتاب ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“ میں نقل کرتے ہیں،

”اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا تھا۔ جب صاحب کشن اور صاحب مجبٹرٹ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دینا

گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم دوست اندازی نہ کرنی چاہیے۔ وہی کے ایک
مہاجن نے جہادیوں کا رویہ نہیں کیا، تو ولیم فریزر کشنر وہی نے ڈگری دی
جو وصول ہو کر سرحد بھی گئی۔“

(مضمون سر سید احمد خاں، بحوالہ ڈاکٹر منٹر)

(مندرجہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۸ دسمبر ۱۸۷۱ء)

(بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۱۲)

حکومت کو معلوم تھا کہ ان لوگوں کس خدمت پر مامور کیا گیا ہے، اس لیے انہیں کسی
تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں تھی، بس کشنر اور مجسٹریٹ کو حکم دے دیا گیا کہ سامان جنگ اور
جہاد کے بارے میں ان مجاہدوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اگر غلام رسول مہر حیران ہوں کہ
انگریزوں اور مجاہدوں کی ملی جھگڑ کی خبریں لوگوں تک کیسے پہنچ گئی ہیں، یہ تو راز ہائے
دُروںِ خاندہ تھے۔

سہر خدا کہ عارف و سالک ہر کس نہ گفت

در حیرت کہ بادہ فروش از کجاشنید

تو اسل میں وہ اس حقیقت کو پیش نظر نہیں رکھ رہے کہ عشق و محبت کی باتیں کرنے والے
اس خوش گمانی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر یہ سب کچھ کر رہے
ہیں، مگر سہ

کھلنا کہیں چھپا بھی ہے چاہت کے پھول کا

لی گھر میں سانس اور گلی تک مہک گئی

آپ کے افعال و اعمال بلکہ حرکات و سکنات آپ کی اس آلودگی کی گواہی دیتے ہیں

آپ کی آنکھیں اور کبھی کبھی آپ کی زبان بھی اس راز کو طشت از بام کر دیتے ہیں۔

رُسوائی کے ڈر سے کوئی راز محبت چھپتا ہے
آہیں و کسین، آنسو روکنے رنگ لگاڑا جاتے تو

انگریز سرکار اس تحریک مجاہدین سے کیا چاہتی تھی (جو انہوں نے بڑی حد تک پورا کر دکھایا، ملاحظہ فرمائیے :

”اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکارِ انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا، وہ اس آزاد و عملداری کو اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکارِ انگریزی اس وقت تک سید صاحب کے خلاف ہوتی، تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکارِ انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سیکھتوں کا زور کم ہو۔“ (سوانح احمدی، ص ۱۳۹)

ایک اور تحقیق توڑ، اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ مفتشی جعفر متھافیسری اور طفیل سنگھری صاحبان انگریزوں اور مجاہدوں کے لازم و ملزوم ہونے کا اعلان کر رہے ہیں :

”جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رنٹروٹ بھرتی کیے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے تو انگریزی حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا، بلکہ انگریزوں نے اس کی حمایت کی، چنانچہ سید صاحب کے قافلہ کی دعوت کرنے والوں میں جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام ہیں، وہاں ایک انگریز کا نام بھی ہے جس نے پورے قافلہ کے لیے کشتیوں پر کھانا پہنچایا تھا۔ جب چچ کو جاتے ہوئے قافلہ قسبہ ولسٹو سے الہ آباد کی طرف گزرا کہ راستے سفر کر رہا تھا، کلاکتہ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کے وعظ میں جہاں ہندو مسلمانوں کا اجتماع ہوتا تھا، صاحبان اور ان کی میم صاحبان بھی شریک

ہوتی تھی۔“ (سوانح احمدی، ص ۸۹)

(بحوالہ علماء ہند کا شاندار مآخذ، جلد ۲، ص ۲۴۱)

اگر جعفر صاحب پسند نہ ہوں تو مولوی عبدالرحیم صادق پوری سے حقیقت حال کے متعلق استفسار کر لیجئے

تمہارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
” منافقین، ناجنبار اور کفار بد کردار نے حسد اور خوف سے حکومتِ بڑانہ کے عمال کو برا بیختہ کر دیا، تاہم حضرت اللہ العزیز وہ جانبِ دُعا سر ہے۔
سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سختوں کے مقابلہ آمادہ جہاد کرتے اور دوسری جانب حکومتِ بڑانہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے۔“

(الذکر المشرّف، مولوی عبدالرحیم صادق پوری، ص ۱۳۵)

(بحوالہ مقالاتِ سر سید، حقہ شانزدہم، ص ۲۵۲)

اور ایک دفعہ پھر مولوی اسماعیل صاحب کی بڑائی کے پرچارک مرزا حیرت

کو سنیے اور سُرُودِ سنیں!

ضلع کے حکام چرکے ہوئے اور انہیں خوفِ معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے۔۔۔۔۔ اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکامِ اعلیٰ کو لکھا۔ وہاں سے صاف جواب آگیا۔ ان سے سرگز مزامت نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ یہ سختوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ (”حیاتِ طیبہ“ ص ۵۲۲)

”سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سر سید صاحب نے یہ اعلان کیا کہ اگر بڑی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ فحاشمت ہے ہم صرف سختوں

سے اپنے مجبائیوں کا انتقام لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل
باجبر نہ ہوئے اور نہ ان کی تیاری میں مانع آئے۔

(”حیاتِ طیبہ“ ص ۶۹)

ان لوگوں نے صرف فوج ہی اکٹھی نہیں کی تھی، باقاعدہ ایک حکومت قائم کر رکھی تھی۔
”انہوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی ہمراہی میں ہمارے صوبہ جات
کا دور کیا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو یہ بتایا اور ایک باقاعدہ گڈی
مندرجہ ٹیکس اور ملکی حکومت قائم کر دی۔“

(”مہندستانِ مسلمان اور ولیم ہنٹر“)

(مترجم ڈاکٹر صادق حسین ص ۶۸)

”جمہ مسلمانی جو اس جنگ میں موجود تھے، ان کی جمعیت ایک لاکھ
آدمی سے کم نہ تھی۔ جھنڈیہ اور سپاہی بھی سکتوں کے ہتھیار اور سپاہیوں کے
برابر ہی تھے، ان سے بڑے نہ تھے، مگر پٹھانوں کی دغا بازی نے قوم کا
ستیاناس کر دیا۔“ (الحیات بعد الممات“ ص ۲۰۳)

وہ دہلی سے آہستہ آہستہ بھگت کی طرف روانہ ہوئے، پٹنہ میں
کافی عرصہ قیام رہا اور اس دوران میں تحریک کو ایک باقاعدہ حکومت کے
نمونے پر منظم کیا گیا۔ جمعی طور پر ملک کے چار حصوں کے لیے چار ڈویژنوں اور
ایک امام کا تعین کیا گیا اور ہر ضلع میں ایک ایک گماشتہ مقرر کیا تاکہ وہ
مستقل اندرون کے ساتھ لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے کا بندوبست کرتے
”اسلامی بندہ“ مغربی تہذیب کے خلاف ردِ عمل“

(از ڈاکٹر تصدق حسین خاں)

(کتاب شاہ اسماعیل شہید ص ۹۴)

آئندہ یہ لوگ کس کس کو جھوٹا قرار دے کر اپنی جان چھڑائیں گے۔ انتظام اللہ شہبانی
بھی انگریزوں کی مراعات کو تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل اور ان کے پیرو مولوی سید احمد بریلوی نے دیکھا کہ سکھ جو
مظلوم مسلمانان پنجاب میں توڑ رہے ہیں، مگر اکبر شاہ ثانی اور نواب اودھ کو دیکھ
رہے ہیں، انہیں اپنی شہرت اور عیاشی سے فرصت نہیں۔ ہر وہ علمائے حق و برکت
خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب لشکر اسلام تیار ہو گیا
۱۸۴۷ء میں روانگی عمل میں آئی۔ سید شہید نے جنوب سے پنجاب پر حملہ نہیں کیا
کہ انگریزی تسلط یہاں تھا اور انگریزوں سے بھڑانا بھی مقصود نہ تھا۔ اور انگریز
بھی مزاحم نہ تھے، بلکہ اخلاقی ایک گوند مراعات روا رکھ رہے تھے۔

(علمائے حق اور ان کی منکولہ میت کی داستانیں)

(از مفتی انتظام اللہ شہبانی)

اب ایک اور مسئلہ بھی حل ہوتا نظر آتا ہے کہ سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے
سرحد کو کیوں چنا گیا، اس لیے کہ انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی اور اس معاہدے
کا مجاہدین کو بہر حال پاس کرنا تھا۔ انگریز سکھوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا، مگر اپنی سرحد سے نہیں
کیونکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی!

”سید صاحب نے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے سرحد کی سنگلاخ
سرزمین کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ یہ طاقت مجاہدین کے لیے نسبتاً محفوظ تھا
دوسرے یہاں کہ باشندوں کی حریت بنی مسلم تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ
انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی، جس کے باعث انگریزی
سرحد سے سکھ سلطنت پر حملہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

(”شہدائے بالاکھٹ“ از محمد عارف)

(ماہ نوکر اجمی خانہ نمبر: بیادگار تحریک آزادی، ص ۳۰)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو :

”مسلمان سرحد پنجاب پر سکھوں نے اپنے زمانہء وچ میں جو مظالم کیے تھے ان سے متاثر ہو کر مولانا سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ محی الدین نے ۱۸۲۲ء میں جو سلسلہ جہاد شروع کیا تھا، وہ ۱۸۴۷ء تک جاری تھا تا آنکہ انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا۔“

(”انیسویں صدی کا افسانہ تباہی“ از محمد امین زبیری،

ثما، نو کراچی، خاص نمبر، یادگار تحریک آزادی ص ۲۵)

سکھوں سے ان کی بڑائی اس لیے تھی کہ یہ علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل ہو جائے جب یہ ہو گیا تو ان کا لام ختم ہو گیا، اس سب کچھ کے بعد اگر پروفیسر محمد ایوب قادری کہیں کہ سکھوں کے علاقے پر انگریز کا تسلط قائم کر دینے کے بعد یہ مجاہد انگریزوں سے لڑنا چاہتے تھے تو آپ کیا کہیں گے، مجھے علم نہیں، مگر میں کہتا ہوں یہ

فطری کہیں ہیں، ہاتھ کہیں سوچ کے

اس بے توجہی سے تو پتھر نہ ماریتے

ظاہر ہے کہ پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آنے کے بعد مجاہدین کا

مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا۔

(مقتدرہ حیات سید احمد شہید)

(از پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۲۴)

کہاں سے ظاہر ہے؟ کس بات سے ظاہر ہے، سید احمد خود کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے خدام بے دام ہیں، ان کے متبعین ساتھی، ان کے ابو بکر و عمر (نعوذ باللہ) و باقی نیتے ہیں کہ ہمارا انگریزوں سے کوئی جھگڑا نہیں۔ سرحد کے مسلمان ان کو ان تمام حالات کی بناء پر انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں اور اسی یقین کے باعث مار ڈالتے ہیں، وہ انگریزوں کا مال کھاتے

پاکستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حوالے سے بات کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے انگریزوں نے مرہٹوں اور پوسلطان کی طاقت ختم کی۔ پھر سکھوں کا زور توڑا اور آخر میں مغل شاہنشاہیت پر ضرب کاری لگادی اور ظاہر ہے کہ سکھوں کا زور توڑنے کا کام انہوں نے اپنے معتمدین خاص سید احمد بریلوی اور اسماعیل صاحبان سے لیا۔

”جنوب میں مرہٹوں اور پوسلطان کی طاقت فنا ہو چکی تھی اور شمال میں سکھوں کا زور توڑا جا چکا تھا۔ اے دے دے کے یہ مغل شاہنشاہیت کا ٹھٹھا ہوا چراغ باقی تھا جس کی موجودگی برطانوی اقتدار کی آنکھ میں کاشا بن کر کھٹک رہی تھی۔“

(”بہادر شاہ ظفر کا روزنامہ“، از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی)

(کتاب ”۱۸۵۷ء کو اُلفت و مصافحت“ ص ۵۵)

اب ذرا اس طرف بھی توجہ دیجئے کہ اسماعیل دہلوی صاحب نے مسلمانوں کو کافر و کفر قرار دینے کا کارنامہ کس لیے انجام دیا اور پھر ان لوگوں نے بقول ان کے منافق مسلمانوں کے خلاف ”جہاد“ کیوں کیا نہ بت اس لیے کہ انگریز مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھنا چاہتا تھا۔ سر جان میکلم نے لکھا،

”ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر شاعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ جبار ہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں۔“

(مضمون ”برصغیر کے اسلامی مدارس“)

(از شمس الحق اعظمی)

(ماہنامہ ”البلاغ“، کراچی، فروری ۱۹۶۹ء)

میں۔ انگریز انہیں بندیاں بیچنا۔ تھے میں۔ ان کے ہاں بچوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انگریز
 کے حریف سکھوں سے جنگ لڑتے ہیں۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں جن سے
 انگریز کو خطرہ تھا، جن کے بارے میں انگریز کو یقین تھا کہ ان میں عشق رسول کا جذبہ موجود
 ہے۔ یہ دینی معتقدات کے سختی سے پابند ہیں۔ رسول کو اپنے جیسا بشر نہیں سمجھتے۔ پھر
 یہ کہاں سے ظاہر ہوا کہ مستقبل قریب میں مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریز سے نہ ہوگا۔
 ✽ تشنہ کاموں کو سراہوں گا چکا چونکہ نہ دے
 ایک اور آواز سماعت فرمائیے:

”علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید
 نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی، تو بچھنے میں نہ آئی۔“

ڈایسٹ انڈیا کمپنی اور باشی علماء

(از مفتی انتظام اللہ شہبانی ص ۱۰)

کہیں سے کوئی ایک دلیل؛ کوئی ثبوت؛ کوئی اشارہ؛ بھیجی۔ انگریزوں کے خلاف
 آگ آفر بھڑک کیسے اٹھی؟ یہ پینگاری آپ کے ذہن میں کیسے بھڑکی جس سے نہ بچنے وال
 آگ پیدا ہوئی ہے، کچھ ہمیں بھی تو بتائیے۔ یا ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ مفتی
 کہلاتے ہیں، فتویٰ دے رہے ہیں، سبحان اللہ!۔

بگو حدیث و فاء از تو باور راست بیگو!

شوم فدائے درد غم کہ راست ماند راست

سُرخد کے مسلمانوں

کے خلاف

جہاد

خانہ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

کچھ لوگ انگریزوں کے خلاف کوئی بات کرنا خلاف مصلحت سمجھتے رہے۔
ان سے ارادت اور ان کی اطاعت پر افتخار و ابہتاج ظاہر کرتے رہے۔ ان کے دشمنوں کو
اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ یہ حسرات جب بالاکوٹ پہنچے، جہاں پہنچنے کے لیے انہوں نے
قرص خال نکالا تھا، تو موت نے ان کا استقبال کیا۔

ان لوگوں نے بچتے بچتے مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دیا۔ ان کو مفسد اور مخالف
کہہ کر اپنی ساری علمیت ان کے قتل کا جواز پیدا کرنے کے لیے انہیں مُرتد ثابت کرنے اور ان
کے اموال اور جائیدادوں کو مالِ غنیمت قرار دینے پر صرف کر دی۔

سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان ان غیر دہلوی مسلمانوں کو اہل کتاب گافروں میں
شمار کرتے ہیں، مگر نثار علی بھی تو اہل کتاب ہیں، جن سے ان کے مراسم پر خورداری قائم ہے۔
صرف اس لیے کہ وہ صاحبانِ بے دست و کشا تھے۔ یہ لوگ انگریزوں سے جنگ کے تصور کی
مخالفت کرتے رہے، مگر اہل سنت و جماعت مسلمانوں کے قتل و خون کے جواز کی
صورتیں نکالتے رہے۔

”میں ہاں دو معاملے درپیش ہیں، ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد
کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز

قرار دینا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بناوٹ یا اس کا کوئی اور سبب ہے اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس دینی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے، کیونکہ ہم ان فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں، بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کو اہل کتاب کافروں کے مثل جانتے ہیں؟

(مکتوب مولوی محمد اسماعیل بنام سید احمد)

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۱)

انگریزوں کی مخالف طاقت جانشاز سرحدی مسلمان تھے، ان کو بدکردار مٹانی کہہ کر ”محرک مجاہدین“ کے سربراہوں نے ان کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے ان پر چڑھائی کی، خدا نے ان کو اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیا، برج کے ڈانٹوں ان کی سمجھوتوں کے ساتھ لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی غداری کا رد کرتے ہیں، لیکن اصرار کرتے ہیں کہ ان مجاہدوں کی کوئی لڑائی مسلمانوں سے نہیں ہوئی، سب سمجھوتوں سے ہوئی ہیں۔ سید احمد بریلوی صاحب خود مسلمانوں کو مرتد ثابت کرنے، ان کے خلاف فوجی کیمپوں کا جواز پیدا کرنے اور ان کا مال غنیمت کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اس گندگی کو پاک کرنے کے ارادے رکھتے ہیں۔ ”ان اقوال و ارشادات“ کو کوئی کہاں تک چھپا سکتا ہے؟

”منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم مقدمہ الزا جب ایک واجب معاملہ ہے اس لیے خاکسار سچے مسلمانوں کے ساتھ شہرِ رشاد اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتا تک پہنچ گیا ہے۔“

(مکتوب بنام سردار میر عالم خاں باجوڑی)

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۱۲۵)

مفتی محمد حسین محمود ریس قسطنطنیہ اور ضلع بجنور کی کتاب "فریاد مسلمان" مطبع ریاض بندہ ترسور میں چھپی تھی، اس کا ایک نسخہ لاہور کی ایک لائبریری میں موجود ہے۔ اس میں مفتی نے سید احمد بریلوی کے اعلان تکفیر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ پنجاب کے امیر اور علماء ان کی ان حرکتوں سے سخت ناراض ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ جعلی پریز ہیں اور اصلی وہابی، اس لیے ان سے بیعت روا نہیں ہے :

"جب کوئی امیر مسلمان اور عالم پنجاب کا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا، جب انہوں نے ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ اس فتویٰ تکفیر کے اجراء سے تمام ملک پنجاب کے امیر اور علماء ناراض ہو گئے اور جواب لکھے کہ تم وہابی مذہب ہو، تم سے بیعت کرنا روا نہیں۔" (فریاد مسلمان، ص ۹۸)

وہابی خود مانتے ہیں کہ پنجاب والے خصوصاً ان کے معتقدات سے نفرت کرتے تھے اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے ایسے ہی عقیدوں کو رواج دیا تھا، جن سے اسلامیوں میں چٹوٹ پڑے اور انگریزی حکومت مضبوط ہو، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کم ہو، اور مسلمان کمزور ہوں گے۔

سربراہی فتنہ زبانی قیامت کہ من می دانم
ان اعتقادات کے مخالفوں کے خلاف انہوں نے فوج کشی کی اور انہیں کیفرِ کذاب تک پہنچانے کی سعی کی۔ انگریزوں نے شاید اس عقیدہ کی تکمیل کے لیے بھی اپنے مقبوضہ علاقے میں شور و شغب کو مٹا سب نہیں سمجھا اور انہیں سرحد جانے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اس تحریک کو دوسرے فائدے کے لیے جنم دیا کہ ایک تو سکھ ہوا انگریزوں کے لیے مصیبت ہوں گے اور دوسرے مسلمان اس سازش کے نتیجے کے طور پر اس قابل نہ رہیں کہ کبھی انگریزوں کے مقابلے میں بھڑکے ہو سکیں، خصوصاً راجہ کے مسلمان جو ہمیشہ انگریزوں کو پریشان کرتے رہنے کی سازشیں کرتے اور امتیاز سے مالا مال تھے۔

”دہلوی ایک فرقہ ایسے اشخاص کا ہے کہ وہ اس طریقہ اسلام سے عموماً
پنجاب میں رائج ہے، اتفاق کلی نہیں کرتے۔“

(ترجمان دہلیہ، ص ۴۶)

دہلیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی دستبرد سے کوئی بزرگ نہیں بچا، جن لوگوں نے
عذیب بریار، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتنار کی عت و تحکیم اور عقیدت و تعظیم کے
خلاف شرافت کی ہو، ان کے نزدیک بزرگان دین کیا اہمیت رکھتے ہیں۔

”جب اختلاف مذہبی میں بحث شروع کی، تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

سے لے کر جس قدر امام اور اولیاء اللہ خاندان قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور

سہروردیہ وغیرہ میں گزے ہیں ان کو ملحد اور مشرک اور بدعتی آمین بالجہر کی طرح

پکار کر کہنا شروع کر دیا۔“ (فریاد مسلمان، ص ۱۱۳)

”تاریخ تناویلیاں“ سید مراد علی گڑھی (منشی سرحد چوک در بند ضلع ہزارہ) کی تصنیف

سب اور مجاہدین کی جنگ کے بارے میں لائق اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں

بتایا گیا ہے کہ سردار پانندہ خاں کے خلاف سید احمد اور اسماعیل صاحبان نے بیعت نہ کرنے

اور انہیں غلیفہ تسلیم نہ کرنے کی بنا پر فتویٰ کفر دیا اور اس کے خلاف جہاد کیلئے یہاں علامہ

فضل حق خیر آبادی سے ان حضرات کا تقابل کریں، تو عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔

فضل حق خیر آبادی انگریز غاصبوں کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور اسماعیل و سید احمد صاحبان

منشی مسلمانوں کے خلاف۔

یہیں تفاوت رہ، از کجاست تا کجا

”تاریخ تناویلیاں“ کے تعارف میں محمد عبدالقیوم جلو ال (تناولی) لکھتے ہیں:

”اس کتاب کے مطالعے سے جہاں تناولی قوم کے مجاہدانہ کائناتوں اور

اسلام کے لیے جہاں شہری اور قربانی کے حیرت انگیز واقعات کا علم ہو گا وہاں

بہت سے راز ہائے سرہستہ کا انکشاف ہوگا، جن کو چھپانے کے لیے بہت سے لوگوں نے دیانت کو قربان کر دیا۔ تناؤلی قوم کے عظیم فرزند سردار پائندہ خاں نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو پے درپے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔

۱۸۳۰ء میں سید احمد بریلوی اور محمد اسماعیل دہلوی نے پشاور واران اور سوات کی مسلم آبادی کو بڑے شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خاں کو سیفِ ام بھیجوائے اور خود مل کر بھی بیعت کی دعوت دی۔ جب وہ بیعت پر تیار نہ ہوا تو سید صاحب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر پڑھائی کر دی، چونکہ سردار مذکورہ کی تمام تر توجہ سکھوں کی طرف تھی اور وہ ذہنی طور پر اس نئی جنگ کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے اسے شکست کھا کر علاقہ خالی کرنا پڑا۔ اس نے شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ صفت بندی کی اور بیٹا یرغمال رکھ کر سکھوں سے مدد کر سید صاحب کے لشکر پر حملہ کر دیا اور انہیں علاقہ چھوڑ کر بالا کوٹ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔

(تعارف، تاریخِ تنہا و لسیاں)

(از محمد عبدالقیوم حلوال (تناؤلی) ص ۲)

کتاب کے مصنف اس جنگ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”جنگ غلیفہ سید احمد بریلوی ملقب بر سید بادشاہ و مولوی

محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں۔

راویان معتبر پچشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں غلیفہ سید احمد

سرگرمہ دہلیاں نے یا محمد خاں حاکم پشاور کو باٹ برادر دوست محمد خاں اتی

کابل کو پشت گرمی لشکر غازیان شکست دی اور ملک پشاور کو باٹ پر

قبضہ کر کے اپنے تختہ انہ جات مقرر کیے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا.....
 سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی، لہذا خلیفہ جانب پائندہ خاں سے
 بدگمان تھا۔ آخر بہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل مقام موضع
 عشرہ پائندہ خاں سے ملاقاتی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب بانی
 و شیریں میانی سے فقہ بیعت کا چھیڑا، مگر سردار موصوف نے سولے بیت لعل
 جواب صاف نہ دیا..... القلم پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خاں فتویٰ
 کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان برہمونی سر بلبل خان مدد خان
 عزم جنگ پائندہ خاں پر متحد ہوا۔

(تاریخ تناولیاں از متید مراد علی، علیگڑھی)

(مطبوعہ مکتبہ قادریہ اندرون لوہاری، دائرہ لاہور)

ان مجاہدوں کی نبوت کا دعویٰ تو تشنہ تمہیل ہی رہ گیا تھا، امامت بھی سے کام
 لینا پڑا۔ غلام رسول مہر امامت کے منکروں کو اسماعیل دہلوی کے واجب القتل اور باغی
 قرار دینے کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مسلمان کے خون کو جو اطاعت خدا و رسول کرے، مگر
 اطاعت سید احمد نہ کرے، کفر کے خون کے مانند قرار دیا جاتا ہے اور اعتراض کہ قتل والوں
 کا جواب بھی جہاد بتایا جاتا ہے۔ ”جہاد“ نہ ہوا، امرت و شمار ہو گیا کہ ان پر نہ تکلیف کا علاج
 اسی کے ذریعے ہو گا۔

بیکے دواست بدارا الشفا سے میکدہ ہا

بہر مریض کہ بنالد کسے، شراب و بند

امامت کا کام پورا ہو گیا، تو شاہ صاحب نے منکرین امامت کو باغی

اور واجب القتل قرار دیا۔

”آپ (سید احمد) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ کی امامت کو سرے سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے وہ باغی متعل الذم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح خدا کی عین مرنی ہے..... معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر“

(سیرت سید احمد شہید ص ۷۸۵)

یہ فلسفہ جہاد اور نکتہ امامت انگریز کی خوشنودی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ دین کی سرحدی اور ملت کی سرفرازی کے لیے نہیں۔

کار زلفت تست مشک افشانی اما عاشقان
مصلحت را بہتے برآ ہوئے ہیں بستہ اند

ان مجاہدین کی شریعت انگریز کی خوشنودی سے عبارت تھی، لیکن ظاہر ہے کہ انگریز حکمرانوں کے لیے سب کچھ کرتے ہوئے اگر اپنے لیے بھی کچھ کر لیتے تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ انہوں نے سرحدوں کی لڑکیوں کے نکاح اپنے ساتھ ضروری قرار دیئے اور اس پر بطریق اس عمل درآمد شروع کر دیا مگر بعض لوگوں نے اگر ازہر ہستی کو پسند نہ کیا اور لڑائی ہوئی مساجد میں شریعت (العباد باللہ) مارے گئے۔

ڈال دیا فخر نڈی پہ تو بے موج، بے خروش

رکھا قدم تو گردش گرداب سامنے

یہ ہے ان لوگوں کے سارے جہاد کی تلخیص۔

”خلیفہ صاحب نے شری حکومت کے زور سے ان (جرگہ یوسف زئی) کی لڑکیوں کا نکاح حکماً کرانا چاہا، بلکہ دس بیس لڑکیوں کے نکاح مجاہدین کو عطا کر دیئے اور خود بھی رضامندی نہ دینے پر جرگہ یوسف زئی کے گھر پر چڑھ کر ان کے گھر پر حملہ کیا اور بہت مدت تک ان پر حملہ کرتا رہا۔“

بہت کچھ جدال و قتال کی نوبت پہنچی، مگر وہ ان سے مغلوب نہ ہوا ایک دن
بہت سے ملکی جمیع کر کے مولوی محمد اسماعیل صاحب خود ان کے مقابلے کو گئے،
لڑائی شروع ہوتے ہی مولوی صاحب کی پیشانی پر گولی لگی، شہید ہو گئے۔
”کارما آفرشہ، آفرزما کار سے نہ شد“

(فرید مسلمین، ص ۱۰۲)

”فرید مسلمین“ کا مصنف بہر حال سنی مسلمان ہے اور ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنا
اہل سنت کا کام نہیں ہے، لیکن اگر جھوٹ لے کر اس بات کو دمانے کا ذرا سا ارادہ بھی
ظاہر کریں، تو میں عرض کروں گا کہ یہی حقیقت اسماعیل دہلوی کے عاشق زار مرزا حیرت دہلوی
کے قلم سے بھی نکل گئی ہے، ملاحظہ کیجئے،

”ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی تھی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب
زور سے رہتے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو
حوالہ مجاہد کرتے تھے، اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔“

(حیاتِ طیبہ، ص ۲۵۶)

زبردستی شادیاں رچانے کے جہاد میں مصروف ہوئے تو مجاہدین کو نہ تقویٰ الایمان
کی تبلیغ یاد رہی نہ جہاد کے مقصد اصلی کو کوئی رک پہنچی، نہ کوئی اہام پروردہ احساس پر نوکلن
ہوا، نہ فتح و نصرت کی بشارتیں، ان کا کچھ بگاڑ سکیں ہے

خمارِ مادہ و توبہ و دلِ ساقی
بیک تبسم مینا شکست و لبست و کشاد

ان ظالمانہ واقعات کے پس منظر میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی کا ذہن
کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوف سے بے نیاز نہ بن سکا، بیگانوں
کے متعلق صاف لکھ گئے،

”اگر اس کے خوشنوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے، تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرادیوے۔“ (صراطِ مستقیم ص ۱۷، در طبع مطبع احمدی، لاہور) جو شریف آدمی اپنی بچیاں بھڑان کے نکاح میں دینے سے انکار کرتے تھے اور صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ ان منافقوں اور فساد یوں کے خلاف تہا احمد صاحب کو بقول خود غیب سے مامور کیا گیا، ان کی گوشمالی کے لیے انہوں نے جہاد کو ضروری قرار دیا۔

اہل حدیث کے بہت بڑے رہنما اور ادیب مولوی محمد علی قصوری ایم اے کیمنٹ نے اپنی کتاب مشاہداتِ کابل و یاغستان شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی (مسئلہ مطلوب نمبر ۲۷) میں جماعت مجاہدین کی جو اخلاقی حالت بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

نحشیتِ اذل چوں نہد معمار کج

تاثریاتی رود، دیوارِ کج

”جماعت کے امیر نعمت اللہ غورقوں کے بے حد متوہن تھے، جن کو ان کی نکاحاً بیویاں متعین اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور غلاماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی طرح، امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہی نوجوان لڑکیوں سے بوجہ لعب میں گزرتا تھا۔ (ص ۱۰۷)

کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنے کا حق نہ تھا۔ میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنے کی جستا کی، مگر اس کا جواب یہ ملا کہ رات کو چپکے سے امیر صاحب کے معتمد انیس خیم کریتے تھے اور پھر اس کا ذکر بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ . . . (ص ۱۰۹)

”امیر صاحب کی غلاماؤں میں کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دینا امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان غلاماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ . . .“ (ص ۱۱۱)

”رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدترین اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اگر میر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا، تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔“ (ص ۱۱۰)

”امیر نعمت اللہ کی اولاد مزینہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا جو غالباً اس وقت نو سال کا تھا۔ لڑکا خاصا خوبصورت اور بچہ اسواصا بڑا بڑا تھا۔ ہر وقت دو تین ادبائش نوجوان اس کی مصاحبت میں رہتے اس لیے اس کا آوارہ مہو بلا بدی تھا۔۔۔۔“

(”مشاہداتِ کامل و یا غستان“)

(از مولوی محمد علی قصوری ایم اے کیبنٹ: ص ۱۱۱)

خاص قسم کے اہل قلم کہتے ہیں کہ یہ لوگ سکھوں سے لڑنے آئے تھے۔ جب کوئی ان سے پوچھے کہ سکھوں سے جنگ کرنی تھی تو پنجاب جاتے، مسجد میں کیا لینے آئے تھے تو فٹ پاتے ہیں کہ اس منسبوت قلعے سے ساری دنیا ہی فتح کی جاسکتی تھی۔ بالاکوٹ ایسی ہی جگہ ہے مگر اس مسئلے کو خود سید احمد صاحب نے مل کر دیا ہے۔ شاہزادہ کامران کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ پہلے جہاد ان مسلمانوں کے خلاف کیا جائے گا اور یہاں سے فراختہ کے بعد پنجاب کے سکھوں سے بات ہوگی، دیکھ لیجئے:

”اس عاجز کو جہاد کے اجراء اور کفر و فساد کے ازالے کے لیے فیبت مامور کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ چکر مافضوں اور فساد پر پاکر نے وائوں نے سرکش گنار کی حمایت پر کمزور ہادی سے اور مجاہدین سے دشمنی بہت ہے میں ”اس لیے ان کی گوشمالی اور کفر و فساد کے خلاف جہاد کی مجہد کا نا ضروری ہے۔ اسی بنا پر میں تمام مجاہدین کو منافقین کو کفر کر داریک بھیجیے کی ترفیہ دی ہے۔۔۔۔۔“

اس کے بعد یہ عاجز اپنے اپنے مفصل مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف تفرار

سرکشی کے ازالے کے لیے روانہ ہو جائے گا، کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنا ہے۔ (مکتوبات سید احمد شہید، ص ۵۶، ۵۷)

اور یہ بات ایک جگہ نہیں کہی، ان امیر المومنین نے کسی مقامات پر دہرائی ہے خان خانان خلیجائی رئیس قلات کے نام ایک مکتوب میں رقم فرماتے ہیں:

”نبات مناسب اور منسلحت یہ ہے کہ ایسا کیا جائے کہ سب سے پہلے تو منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب بنابالائے کے قرب و موار کے علاقہ میں ان ہکر دار منافقین کا قسمہ پاک ہو جائے تو پھر اعلیٰ ان ساطر اور جمعی کے ساتھ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں، اس لیے مصائب وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لیے سخت کوشش فرماتیں۔“

(مکتوبات سید احمد شہید، ص ۴۷)

انہوں نے جہاد کو جس طرح مذاق سمجھ کر لیا تھا، وہ تو اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ وہ کسی کی طرف سے اس خدمت پر آمادہ تھے۔ جہاد ایسا معاملہ تو نہیں ہے کہ آپ اسے قبول کی طرح ہر شخص کے جھونک دینے کا ڈراوا دیتے رہیں، مگر ان صاحبوں نے کثرتِ استعمال سے اس قبلی کو گند کر ڈالا تھا۔ اگر کسی سے بحث میں جا جاتے، تو بھی یہی ارشاد ہوتا کہ فلاں کام کر لوں، تو اس مولوی کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔ آخر مختصصین فی الجہاد تھے:

”مولوی سمیع صاحب بحث مباحثہ کے رابطے سے ان مولانا عبد الرحمن قلی صوفی نقب سے مل گئے، مگر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کا تقریر غالب رہا۔ بحث شروع کرنے سے باز رہے۔ رخصت کے وقت مولوی سمیع صاحب نے فرمایا کہ فرنیٹل محل کے مولوی بہت گمراہ ہیں، میرا ارادہ ہے کہ میں وقت ملنے سے واپس ہوں گا۔ ان گمراہوں پر جہاد کروں گا۔ (فریادِ مسلمین، ص ۹۵)

اگر فرنی ملیوں کے معاملے میں اسماعیل دہلوی کی گلب جہاد پیکر کی تھی تو شاہ نصیر ری بھی
باقاعدہ چڑھ دوڑے تھے۔

”شاہ نصیر نامی حنفی چشتی جو ان دنوں میں ایک شاعر تھے، انہوں نے
مولوی اسماعیل صاحب کے جہاد کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا، اس میں
دو شعر جو طبع میں لکھے ہیں، تذکرۂ آب حیات کے مصنف مولوی محمد حسین
آزاد دہلوی نے یہ دو شعر انتخاب کر کے شاعرِ مذکور کی یادگار لکھتے ہیں جن کی
میں نقل کرتا ہوں۔“

کلام اللہ کی صوت ہو اول ان کا سپارہ
نہ یاد آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نص قرآنی
برن کی طرح میدانِ وفائیں چکر پڑی بھولے
اگرچہ تھے دم شعلہ سے یہ شیرِ پستانی
یہ چیخ ان کو ناگوار ہوئی، شاہ نصیر کے مکان پر حملہ کر کے چڑھ گئے۔“

(فریادِ مسلمین، ص ۱۱۱، ۱۱۰)

جناب یوسف جبریل جن کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک کھٹوں سے لڑنے ہوئے شہید ہو گئے تھے،
نادانستگی میں اس مغرضے کی تردید فرما گئے کہ اسماعیل دہلوی کھٹوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔
نیکل جاتی سوچتی بات جس کے منہ سے تھی میں

فقیہِ مصلحت میں سے وہ رندِ بادِ خوار اچھا

اسماعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو کھٹوں کے عذاب
نجات دلانے آتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر خزانہِ حق تعالیٰ سے

مباطلے (مضمون ”امیہ بس پانیہ کے عوامل“ از یوسف جبریل)

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء)

”خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے صاحب کے غازیوں کے بڑے
حصہ کو ایک رات میں ذبح کر دیا۔“

(علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد دوم ص ۲۴۵)

فضل حسین بہاری صاحب جو دہلیوں کے بہت بڑے نمائندے ہیں۔ مستبد
نذیر حسین دہلوی کی سوانح حیات میں حسب روایت محتاط زبان میں ان حضرات کے
مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے کی بات کرتے ہیں۔
نیرختے عشق میں کہ دریں دشت بیگیراں

گامے نہ رفتہ ایم و بیایاں رسیدہ ایم

”جب سکھوں نے دیکھا کہ غنیمت مسلمان تمام پنجاب پر قابض ہو گئے
تو انہوں نے اپنے کو دین کی تعداد معتد بن گئی، گانچہ اور سبے وفا
قوم نے عین حالت جنگ میں بے وفائی کی جس سے مسلمانوں کو شکست ہوئی،
اور مولانا شہید اپنے سردار اور ہمراہیوں سمیت ۲۷ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ
کو تریپن سال کی عمر میں شہید ہوئے۔“

(الحیات بعد المات، ص ۲۰۴)



حسائق کا اخفا

بدر چکے ہیں بہت خوشنوائی کے معیار
خدا چمن میں کسی کی زباں نہ کھلوائے

جب کسی افسانے کی اساس ہی صداقت و شمنی اور کذب شعاری پر رکھی جائے، تو حق کو قبول کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

آپ ناقابل تردید دلائل و براہین قاطعہ سے کسی موقف کو غلط ثابت کرتے ہیں، اگر مقابل کسی غلط فہمی کا شکار تھا، تو حق کو قبول کرے گا، لیکن اگر جان بوجھ کر غلط موقف کو اپناتے ہوئے تھا اور لوگوں کو دھوکا دینے کے نقطہ نظر سے سب کچھ کبہ رہا تھا، تو حقائق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔ غلام رسول تہرنے بڑی محنت سے کہانیاں گھڑ کر مجاہدین کی آبروستانی۔ اب لوگ حقائق کے آئینے دکھا دکھا کر ان کے بیانات اور توجیہات کو غلط ثابت کر دیں تو بھی وہ اپنی خود ساختہ عمارت کو اسی طرح قائم و دائم دیکھنے کی خواہش میں مجاہدین کی شان و آبرو ہر حال میں قائم رکھنے کا اعلان کرتے ہیں:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو ہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں اگرچہ

وہ بعض سابقہ بیانات اور توجیہات سے صحت مطابق نہ ہو۔“

(افادات مہر، ص ۲۳۱)

”افادات مہر“ کے مرتب ڈاکٹر شیر بہادر خاں اپنی ”ماں سہرو میں کسی پمفلٹ کے بارے میں مہر صاحب سے استفسار کیا، تو شاید اس پمفلٹ کے مندرجات ان کی قائم کردہ عمارت کو

کھنڈر میں تبدیل کر دینے والے ہوں گے، اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ میرے تاثر کے مطابق اس پمفلٹ میں سید احمد شہید کے متعلق کچھ زیادہ اچھا نہیں لکھا گیا، یعنی مہر صاحب نے تاثرات و تعصبات کو تحقیق و تاریخ کا نام دے دیا ہے، کمال ہے،

ایک آپ نے غالب انگریزی پمفلٹ کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ پمفلٹ میں نے کسی زمانے میں پڑھا تھا، انگریزی بہت عمدہ تھی، لیکن سید احمد شہید کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا تھا، میرے تاثر کے مطابق وہ کچھ زیادہ اچھا نہ تھا۔

(آفادات مہر، ص ۲۳۹)

جس دستاویزہ تاریخ، تصنیف سے بھی مہر صاحب کو اپنے مفروضوں کی حمایت میں کوئی بات نہ ملے۔ وہ اس کو تاریخی ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اس سے صرف نظر کرتے ہیں، یا اسے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں :

”مجھے دلی افسوس ہے کہ آپ کی کتاب کا وہ حصہ نہ دیکھ سکا جو مگراری دستاویزات پر مبنی ہے، آپ نے یقیناً دستاویزوں سے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، لیکن ایک بات عرض کر دوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات پرستادویزیں بھی غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہیں۔“

(آفادات مہر، ص ۴، ۱۰۲)

ڈاکٹر بشیر بہادر خان پتی نے مہر صاحب سے ایک خط میں استفسار کیا کہ تاریخ تنادیں طبع ۱۷۷۱ء از سیدہ اعلیٰ مطہر نور کماں سے ملے گی ؟ آفادات مہر، ص ۱۹۳۔
اس کا جواب غلام رسول مہر نے ۲۷ ستمبر ۱۹۶۸ء کو پتی صاحب کو دیا، اس میں تاریخ تنادیں کا ذکر کیا نہیں یا انداز ان کے اس استفسار کا جواب نہیں دیا۔
شاید ڈاکٹر پتی کے دوبارہ سہ بارہ پوچھنے پر مہر صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء کے خط میں لکھا،

”کتاب بازار میں ناپید ہے، پُرانی کتابوں میں اتفاق سے مل جائے“

تو مل جائے، ورنہ اُمید نہیں کہ ہاتھ آئے۔ (اقاوات مہر، ص ۱۹۸)

اس کتاب میں چونکہ حقائق ہیں اور حقائق جہاد کی اصلیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اس لیے مہر صاحب نے ڈاکٹر پنہی کو اس تاریخی ماخذ تک پہنچنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ کتاب مہر صاحب کے پاس موجود تھی اور انتقال کے بعد ان کے کتب خانے میں پائی گئی۔ اسی حقیقت کو تاریخ تناویاں ”مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور کے تعارف نگاران الفا میں بیان کرتے ہیں :

”افسوس کہ ان مہار اور غیور تناوولی مسلمانوں کے مجاہدانہ معرکوں کو کما حقہ محفوظ نہ کیا گیا۔ مشہور مورخ غلام رسول قہر نے تحریک ہلاکوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے نہ معلوم کس مصلحت کے تحت تاریخ تناویاں ”ایسے قدیم ماخذ کو بکسر نظر انداز کر دیا۔ غالباً یہ کتاب ان کی خود ساختہ کہانی کے مطابق تھی“ (تعارف ”تاریخ تناویاں“ از محمد عبدالقیوم جلال، ص ۱۲)

حق کو تسلیم نہ کرنا اور حقائق کو پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنا صرف مہر صاحب ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ یہ سب حضرات اس میں طاق میں مسعود عالم ندوی کو عبید اللہ سندھی پر یہ غصہ ہے کہ وہ سید احمد اور ان کے دہائی ساتھیوں کی کمزوریوں پر تنقید کیوں کرتے ہیں، ان کی مذمت میں کوئی لفظ کیوں کہہ دیتے ہیں۔ بھئی ! جب کوئی کام قابلِ مذمت ہے تو اس کی مذمت اور تنقید میں قلم کو احوال پر لکھنے کے کیا معنی ہیں؟

”مولانا سندھی کی کتاب ”دلی اشد اور ان کی سیاسی تحریک“ وسیع مطالعہ اور عمیق فکر کا نتیجہ ہے، مگر انہوں نے حزب دلی اشد کی تشکیل اور من مانی توجیہ کی خاطر سید صاحب کے ماننے والوں اور خاص کر اہل صادق پور پر بڑا ظلم کیا ہے اور ان کی کمزوریوں کی تنقید مذمت

میں ان کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے۔

(”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ از مسعود عالم ندوی ص ۱۰)
جن صادق پور والوں پر ظلم و ستم کی دہائی مسعود عالم ندوی نے بے ہیں۔ یہی ہیں جن کے متعلق علامہ ہندکاشاندار ماحی اور الدّر المشور کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے مخالف ہے۔

غلام رسول تہر لکھتے ہیں،

”اگر کچھ آنادی وطن کے جہاد میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور باشندگان علاقہ جات سرحد کی آزادی بھی محفوظ ہو جاتی۔ اس طرح خاصی بڑی قوت فراہم کر کے آزادی کا ہند کے لیے قدم بڑھایا جاسکتا تھا۔“

(روزنامہ مشرق لاہور، ۱۷ نومبر ۱۹۷۷ء)

مہر صاحب جدید تاریخ کے موجد ہیں، انہوں نے اس تحریک کے حق میں لکھی ہیں لکھیں۔ بیسیوں منہا میں تحریر کیے، لیکن کیا وہ خود بھی کہیں یہ ثابت کر سکتے ہیں یا اور کوئی صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ سید صاحب نے آزادی ہند کی بات کی ہو یا انگریزوں کو اس خطے نکال باہر کرنے کا عندیہ ظاہر کیا ہو یا سکھوں سے اس نوع کی کوئی گفتگو کی ہو کہ وہ ان سے مل کر ملک کے غاصبوں (انگریزوں) کے خلاف تحریک چلائیں۔ حالات کی سمجھ لینی یہ ہے اب تاریخ نہیں لکھی جاتی، گھڑی جاتی ہے۔ یوں مہر صاحب ایک تاریخ ساز شخصیت کہلانے کے بجائے پرستار ہیں۔ تاریخ اعیان و بارہ میں محمد محبوب علی خان لکھنوی نے دلائل و براہین سے واضح کیا ہے:

”اسماعیل دہلوی اور ان کے مرشد سید احمد دہلوی کی اس جنگ زرگری سے برٹش کو حسب ذیل فائدے ہوئے:

۱) دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد آسانی کے ساتھ بہادر اور غیرت مند مسلمانوں سے اکثر خالی ہو گئے۔

۲) مغل سلطنت کے جاں نثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

۳) سلطنتِ ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔

۴) ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کو آسان ہو گیا۔

۵) ان دونوں کی ایکجہٹی سے انگریزوں کی قوت بڑھ گئی۔

۶) ان کی جنگ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلب آسان ہو گیا۔

۷) سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

۸) آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا

بنا دیا۔

۹) قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتے بار بار کھٹے اور شائع کیے۔

۱۰) پٹھانوں کی طاقت کمزور کرادی۔

۱۱) کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرائی

۱۲) کتاب تقویۃ الایمان کے ذریعہ مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائی۔

۱۳) دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف

متوجہ کیا اور سلطنتِ مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

۱۴) فرقہ بندی کرائی، گھر گھر لڑائی کرائی۔ کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلب کیا

اور کچھ دنوں بعد ان کی مدد کی بنا پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام

ہند پر تسلط پالیا۔ (تاریخِ عیانِ دہلیہ، ص ۴۴، ۴۵)

حرفِ آخر

علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کے تقابلی جائزے میں درج ذیل حقائق و معارف سامنے آتے ہیں :

۱- فضل حق کے دین کی رو سے اسلام کے دشمنوں اور ملک کے غاصبوں پر جہاد واجب تھا، جبکہ اسماعیل دہلوی کے مذہب کی رو سے یہ بات فرض تھی کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں کبھی شریک نہ ہوں۔

۲- فضل حق کا جہاد صرف انگریز کے خلاف تھا، مگر اسماعیل دہلوی جہاد پیشہ سلسلہ تھے بحث میں جس عالم سے جارہا تے تھے، اس کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کر دیتے تھے جو شاعران کی بچو کہتا تھا، اس پر بھی چڑھ دوڑتے تھے۔

۳- فضل حق، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے عظیم رہنما تھے۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم و استبداد کی انتہا کر دی۔ اس کے مقابلے میں اسماعیل دہلوی اور سید احمد کا اعلان تھا کہ سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔

۴- فضل حق اور ان کے ساتھیوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ نام اور نام لیا کی حیثیت سے جنگ آزادی میں حصہ لیا، جبکہ سید احمد بریلوی نے اپنے آپ کو

”ماورمن اللہ کہا، اپنے اوپر الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور اسماعیل دہلوی کو سید احمد کا خلیفہ بمنزلہ حضرت عمر قرار دیا گیا۔

۵۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فضل حق خیر آبادی کی خدمات جلیلہ کا اعتراف غیر جانبدار مؤرخین کے علاوہ جانبدار دہلیوں کو بھی کرنا پڑا، وہ اس جنگ کے امام کہلاتے اس کے برعکس سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی مجاہدین کو سندھادر سرحد کے لوگ انگریز کا باسوس سمجھتے تھے، اسی لیے برا سمجھتے تھے اور اس قسم کی حقیقتوں کا اعتراف متحرک مجاہدین کے نام یواؤں کو بھی کرنا پڑا۔

۶۔ فضل حق خیر آبادی کے خلاف استغنائے کے گواہ شہادت سے منحرف ہو گئے، تو خود انہوں نے اقبال جرم کر کے کاسے پانی اور شہادت کو خوش آمدید کہا، لیکن اسماعیل سید احمد کے خلاف اس شکایت کی تردید انگریز افسروں نے خود کی کہ یہ انگریز کے مخالف ہیں۔

۷۔ انگریزوں کی حکومت علاقہ فضل حق خیر آبادی کے جہاد کا ہدف تھی۔ اس کے مقابلے میں اسماعیل دہلوی کے جہاد کی راہ میں گورنمنٹ انگلشیہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ہر طرح کی معاونت کی۔

۸۔ اسماعیل دہلوی مرہٹوں اور پٹھو سلطان کے انگریزوں کی راہ سے ہٹ جانے کے بعد سکھوں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ ان کی کوششوں سے سکھ حکومت پر انگریز حکومت فتح پاب ہوئی، جبکہ مرہٹ مغل حکومت باقی تھی، جسے بچانے اور انگریز کا اقتدار ختم کرنے کے لیے فضل حق نے جان کی بازی لگائی۔

۹۔ فضل حق نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اس جہاد میں باقاعدہ حصہ لیا۔ اسماعیل دہلوی نے حضور پرور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اہل اسلام اور سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔ فضل حق خیر آبادی کو انگریز غاصبوں نے کالے پانی کی مڑادی، جہاں مصائب شہائد کو برداشت کرتے کرتے وہ شہید ہو گئے اور اسماعیل دہلوی اور ان کے تمام ہمراہیوں کو "جہاد" کے لیے تیار کرنے کی خاطر انگریزوں نے کھانے، پہننے، سونے میں ان کے لیے ہنڈیاں، مچھواریں اور ہر طرح سے ان کو مضبوط و مستحکم کیا۔

۱۱۔ جنگ آزاد دی میں حصہ لینے والوں کے گھر تباہ کر دیئے گئے، ان کی جائیدادیں جبین لی گئیں اور تحریک مجاہدین کو مسلح ہونے دیا گیا، ان کی زیارت و دربارت پر کوئی توجہ نہ کیا گیا۔ انہوں نے ٹیکس لینے کا اپنا نظام نافذ کیا، تو بھی ان سے نہ صرف نہ لیا گیا بلکہ ان کی ہر طرح مدد کی گئی۔

۱۲۔ فضل حق کے جاسوسوں نے ان کے خلاف گواہی دی اور انہیں سزا دلوائی، اسماعیل صاحب کے جاسوسوں کی رپورٹ پر انگریز افسروں نے ان کی سرگرمیوں سے کوئی توجہ نہ کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔

۱۳۔ فضل حق نے عدالت میں اپنے فتویٰ جہاد پر اصرار کیا۔ اسماعیل دہلوی نے انگریزوں کی خوشحال رعایا ہونے کا اقرار کیا۔

۱۴۔ فضل حق انگریزوں کی حکومت کی مخالفت میں ہزار ہا زندان تک گئے اور وہیں شہادت پائی۔ اسماعیل دہلوی انگریز حکومت کے استحکام کی خاطر سکھوں اور سرحدی مسلمانوں سے جہاد کرنے بلا کوٹ تک گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

۱۵۔ فضل حق نے والیان ریاست کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور علیحدہ ریاستی نئے سرحدی امرا کو خط لکھے، جن میں سکھوں اور مخالفت مسلمانوں کے قلع قمع کے عزائم کا اظہار کیا۔

۱۶۔ فضل حق نے مسلمانوں کو دین کی اسل پر قائم اور متحد رکھنے کے لیے کام کیا اور اسماعیل صاحب نے مسلمانوں کی تکفیر کی اور ان میں بھڑک ڈالی۔

۱۷۔ فضل حق خیر آبادی انگریز کی مخالفت میں اور سے دہلی، دہلی سے لکھنؤ کی سبکی پر گئے اور اسماعیل دہلوی اس حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے یوپی سے سندھ، پنجاب، سرحد ہر جگہ گئے

۱۸۔ فضل حق غیر ملکی غاصبوں سے نفرت کرتے تھے۔ اسماعیل دہلوی غیر ملکی غاصبوں کی فرماں برداری پر مشتعل تھے۔

۱۹۔ فضل حق خیر آبادی جنگ آزادی کے سرکردہ لیڈر جنرل بخت خان اور بہادر شاہ ظفر کے معتقد اور مشیر تھے اور اسماعیل وسید احمد انگریز حکام کے معتقد تھے۔ سرحد میں ان کے جاسوس سمجھے گئے اور انگریزوں نے انہیں قسم کی مراعات دیں۔

۲۰۔ فضل حق خیر آبادی بہادر شاہ ظفر پر زور دیتے تھے کہ مجاہدوں کی ہمت افزائی کریں اور انہیں بہتر معاوضہ دیں۔ اسماعیل وسید احمد سرحدی قبائل کی نوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح کرتے تھے اور ان کے انکار پر ان کے خلاف جہاد کا علم اٹھا لیتے تھے۔

ان واقعات کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ پیرغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کس نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آزادی کی لگن کس کے دل و دماغ میں تھی اور کس کا جوہر اور اک انگریز حکام نے خرید رکھا تھا۔

یہ تو ہے دورِ نکست و ریخت اے نازک مزاج

زہدِ شاید تیرا شیشے کا مکان بھی آنے گا!

کتابیات

- آثار اقتصادی - سید احمد خان، پاکستان بشاریکل سوسائٹی کراچی
 آزادی کے مجاہد - محمود الرحمان، فیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۷۳ء
 اردو انسائیکلو پیڈیا - فیروز سنز لٹریٹ، لاہور ۱۹۶۸ء
 اردو (سہ ماہی) کراچی، انجمن ترقی اردو، کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء
 اردو دائرہ معارف اسلامیہ - پنجاب یونیورسٹی لاہور
 اردوئے معلیٰ (ماہنامہ) علی گڑھ، دسمبر ۱۹۷۰ء
 ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ - مرتبہ خلیق احمد نظامی، ندوۃ المستفین دہلی ۱۹۵۸ء
 ۱۸۵۷ء کے کوائف و صحائف - ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۵۷ء
 اثنیہ سوتاندون کے مجاہد - غلام رسول جبر، کتاب منزل، لاہور ۱۹۶۰ء
 افادات مہر - ڈاکٹر شیر بہادر خاں پٹنی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
 اکابر تحریک پاکستان - محمد صادق قصیری، مکتبہ رضویہ، گجرات
 الاسلام (مہفت روزہ) لاہور، ۵ اگست ۱۹۷۷ء
 الاقتصاد فی مسائل الجہاد، البر سعید محمد حسین لاہوری، ایڈیٹر رسالہ اشاعت السنۃ
 مطبوعہ وکٹوریہ پریس، تالیف ۱۸۷۶ء اشاعت ۱۸۷۹ء
 السبلاغ (ماہنامہ) کراچی، فروری ۱۹۶۹ء
 الحیات بعد الممات - فضل حسین مہاری، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی ۱۹۵۹ء
 الزبیر (سہ ماہی) بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۷ء
 ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء - مفتی انصاف اللہ شاہانی، دینی بک ڈپو، دہلی

باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ) مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مترجم عبدالشاد خاں شروانی

مرتبہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۴ء

مہاراشہ ظفر اوران کا عہد - سید رئیس احمد حضری، کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶ء

تاریخ اعیان دہلیہ - محمد محبوب علی خاں لکھنوی، کتب خانہ اہل سنت، بمبئی ۱۳۷۲ھ

تاریخ اہل حدیث - میرا برہیم سیالکوٹی، اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور

تاریخ تناولیاں - سید مراد علی، مکتبہ دستار دریا لاہور ۱۹۷۵ء

تحریک ریشمی رومال - حسین احمد مدنی، کلاسیک لاہور ۱۹۶۰ء

تذکرہ علماء ہند - رحمان علی، نوکلشور لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

تذکرہ علماء ہند - رحمان علی، پاکستان بکسٹریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء

ترجمان دہلیہ - ذاب محمد صدیق حسن خاں، مطبع محمدی لاہور، ۱۳۱۲ھ

ترجمان اہل سنت (ماہنامہ) کراچی - جنگ آزادی نمبر، جولائی ۱۹۷۵ء

جامعہ (ماہنامہ) دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، نومبر ۱۹۶۲ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نور شہید مصطفیٰ رضوی، مکتبہ بڑاں دہلی ۱۹۵۹ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد - مولانا فیض احمد بیانی، محمد ایوب قادری، پاک کیڈمی کراچی ۱۹۵۷ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات شخصیات) محمد ایوب قادری، پاک کیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء

حیات سید احمد شہید - محمد جعفر تھانی سری، انیس اکسڈمی، کراچی ۱۹۶۸ء

حیات شبلی - سید سلیمان ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء

حیات طیبہ - مرزا حیرت دہلوی، مطبع فاروقی، دہلی

حیات طیبہ - سیرت شاہ اسماعیل شہید، مرزا حیرت دہلوی، مکتبہ الاسلام لاہور، ۱۹۵۸ء

حریت (روزنامہ) کراچی، جمہور ایڈیشن، ۹ جولائی ۱۹۷۰ء

خدا م الدین (ہفت روزہ) لاہور، ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

خیال (مجلہ) لاہور، سن ستادون نمبر

- خون کے آنسو۔ مشتاق احمد نظامی، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۳ء
- داستان تاریخ اردو۔ حامد حسن قادری، لکشمی نرائن اگر والہ آگرہ، ۱۹۵۴ء
- روشنی الادب۔ مولوی محمد دین، انجمن پنجاب، لاہور، ۱۸۷۹ء
- ستارہ یابادبان۔ محمد حسن عسکری، مکتبہ سات رنگ، کراچی ۱۹۶۳ء
- ۵۷ء کے ہیرو۔ شہیدہ انیس فاطمہ بریلوی، اقبال بک ڈپو، کراچی ۱۹۵۶ء
- سوانح احمدی۔ محمد جعفر تھانیسری، مطبع فاروقی، دہلی
- سوانح احمدی۔ محمد جعفر تھانیسری، صوفی کینی، منڈی بہاؤ الدین ۱۳۵۲ھ
- سول اینڈ ٹائٹل گزٹ۔ (روزنامہ) لاہور، ۱۰ نومبر ۱۸۷۶ء
- ستیا احمد شہید۔ غلام رسول مہر
- ستیا احمد شہید کی صحیح تصویر۔ وحید احمد مسعود، مکتبہ مسعود، لاہور، ۱۹۶۷ء
- سیرت ستیا احمد شہید۔ سید ابوالحسن علی ندوی، ایم ایچ سید انیس کینی، کراچی، ۱۹۵۸ء، ۱۹۷۴ء
- شاہ اسماعیل شہید۔ مرتبہ عبداللہ بیٹ، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۴ء
- صراطِ مستقیم۔ محمد اسماعیل دہلوی، مطبوعہ مطبع احمدی، لاہور
- علم و عمل (دقائق عبدالقادر خان)، مترجم معین الدین افضل گڑھی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ ۱۹۶۱ء
- علماء ہند کا شاندار رامنہ۔ جلد ۲، ہندوستانی مسلمان اور جنگ آزادی،
- سید محمد میاں ناظم جمعیت علماء ہند، ایم برادر س دہلی ۱۹۵۷ء
- علماء ہند کا شاندار رامنہ۔ جلد ۲، علماء صادق پورا و ان کے پراسرار عجائبات کا رنگ، ایم برادر س دہلی ۱۹۵۷ء
- علماء ہند کا شاندار رامنہ۔ جلد ۳، ۱۸۵۷ء اور جانا نازان حریت، الجمعیت بک ڈپو، دہلی
- علماء حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں۔ مفتی انتظام اللہ شہبانی
- غالب کے کلام میں الحاقی عناصر۔ آدوم سیتا پوری، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- غالب نام آدرم۔ آدوم سیتا پوری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۰ء
- غالب نامہ۔ شیخ محمد اکرام۔ مرکز نائل پریس لاہور، ۱۹۷۰ء

صدر کے چند علماء - مفتی انتظام اللہ شہبانی
 فریادِ مسکین - منشی محمد حسین محمود، مطبع ریاض ہند، امرتسر
 فضل حق اور سن ستاون - حکیم محمود احمد بکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۷۵ء
 کابل میں سات سال - عبید اللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی، لاہور
 کالا بانی (تواریخ عجیبہ)، محمد عفر تقانی سری - سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء
 یل و تہار (ہفت روزہ) لاہور، جنگ آزادی نمبر ۱۲، مئی ۱۹۵۷ء
 ماہ نو (ماہنامہ) کراچی، خاص نمبر، یادگار تحریک آزادی، مئی ۱۹۵۷ء
 ماہ نو (ماہنامہ) کراچی، تحریک پاکستان نمبر ۱۹۶۸ء
 مخزن احمدی - سید محمد علی، مطبع مفید عام آگرہ، ۱۲۶۱ھ
 مسلمانوں کا روشن مستقبل - سید طفیل احمد منگھوری، کتب خانہ عزیز، دہلی ۱۹۴۵ء
 مشاہدات کابل و یاغستان - محمد علی قصوری ایم اے کیسٹ، انجمن ترقی اُردو، کراچی
 مشرق (روزنامہ) لاہور، ۱۷ نومبر ۱۹۷۴ء
 مقالات سرسید - حصہ ہفتم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء
 مقالات سرسید، حصہ شانزوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء
 مکتوبات سید احمد شہید - مترجم سخاوت مرزا، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۹ء
 مدح کوثر - شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لاہور، ۱۹۵۸ء
 نقض حیات - حسین احمد مدنی، اسلامی اکادمی لاہور، بیت التوحید، کراچی
 نوے وقت (روزنامہ) لاہور، ۲۵ اگست ۱۹۷۷ء
 ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک - مسعود عالم ندوی، دارالاشاعت نشانیہ تہجد آباد کوئٹہ ۱۹۷۲ء

انتیاز حق

ارباب تحقیق کی نظر میں

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری درواہ لاہور

حافظ ڈاکٹر محمد عادل

مبتعدِ عمومی، انجمن اسلامی عمرانیات پاکستان کراچی

اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت پڑھ کر ہی کتاب کا موضوع سمجھ میں آجاتا ہے :
"فصل حق خیر آبادی اور اسفندیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ"

کتاب کی تھوڑی سی عبارت پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ دراصل یہ اس شدت کا رد عمل ہے جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے بعض معتقدین نے مولانا فضل حق خیر آبادی کے مرتبہ کو گھٹانے میں روا رکھی ہے۔ مولانا فضل حق اور ان کے والد بزرگوار مولانا فضل امام دونوں جید عالم اور اپنے زمانے کے مشاہیر ہیں۔ دونوں کو معقولات میں جرح و تخرص حاصل تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ یونانی اور اسلامی دور و وج کے مفکرین اور حکما کی صف میں کھڑے کیے جانے کے قابل ہیں۔ اس دور میں جس طرح خاندانہ دلی الہی نے منقولات خصوصاً علم حدیث کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلایا اور آج بھی اس کے اثرات پورے بزمِ فیض میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح مولانا فضل امام اور مولانا فضل حق نے معقولات سے اس قدر فیض پہنچایا کہ بعد کی کوئی قابل ذکر ہستی ایسی نہیں نکلے گی جس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اس دور کو متعادل کمینیاں سے متعصب کیا تھا۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانان ہند کا ذوال اور ملی اعتبار سے کمال۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی کہ اس دور کے سیاسی ذوال اہل تشا اور فرمانرواؤں کی کمزوری، نااہلی اور بے بسی کے سبب ہی علماء کو سیاسی معاملات میں عملی طور پر حصہ لینا پڑا۔ اس کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کی۔ آپ نے جب مرہٹوں کے ظلم اور

استیلا کی شدت کو محسوس کیا تو اس دور کے مسلمان فرمانروائوں خصوصاً نجیب الدولہ کو ملکا یا اور
 اس پر مستی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔ جنگ پانی پت سومین مرتبہ مرہٹوں کے حوالہ کو خاک
 میں مٹا دیا اور ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو اپنی طاقت بھال کرنے کا موقع فراہم کر دیا لیکن مسلمان اس
 کامیابی کے بعد پھر خواب خرگوش میں چلے گئے اور دشمنان دین نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پرتغیہ
 کے مختلف حصوں پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹے دہلی کے تخت پر تونہ بیٹھ گئے، البتہ مغلیہ فرمانروا شاہ عالم ثانی
 کو اپنے قبضہ میں کر کے بالواسطہ طور پر مغلیہ سلطنت کے بچے کچھ حصوں پر حکومت کرنے لگے۔ اور
 آخرین جنگال اور دکن کی طرف سے بڑھتے ہوئے دو آبے کے علاقے تک پہنچ گئے اور ۱۸۰۳ء اور
 ۱۸۰۴ء میں انہوں نے سندھیا کی فوجوں سے لڑکر علی گڑھ، اگرا، دہلی اور کشمیر کے درمیانی علاقے
 پر قبضہ کر لیا۔ سکھوں نے یہ حالت دیکھی تو وہ پنجاب و سوبہ سرحد اور کشمیر پر قبضہ جما بیٹھے اور انہوں
 نے وہاں مسلمانوں پر عیسائیت تنگ کر دیا۔ آخرین نے پال کی سے کام لیا اور یہ محسوس کر لیا کہ
 چند ہزار گور سے اتنے بڑے ملک پر تنہا حکومت نہیں کر سکتے۔ حالانکہ مقامی لوگوں سے کام لینا پڑا
 لہذا ابتداً اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا ہتھیار کیا تاہم شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
 نے یہ محسوس کر لیا کہ سکھ ہوں یا آخرین یا ہندوؤں کو کفر و کفر و کفر کے بموجب سب ایک ہیں
 اور مسلمانوں کے سب ہی دشمن ہیں۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور تباہ و بربادی کے مسلمانوں
 کو اکسایا۔ بہادری کی تحریک کو چلانے کے لیے اپنا مرہٹا سید احمد اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل اور
 مولانا عبدالحی کو منتخب کیا۔ ان لوگوں نے شمالی سندھستان کا دورہ کر کے مسلمانوں کو بہادری پر آمادہ کیا
 اور قریب قریب میں جا کر جہاد کے لیے بیعت لی۔ تیاری مکمل کرنے کے بعد مرحوم علی علاقہ کو جہاد
 کے لیے فتنہ آغا بنایا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آخرین سے بھی ملنا تھا تو پہلے ان سے
 کیوں نہ بیٹھے اور قریب کے شہر کو چھوڑ کر اس قدر دور دراز کے علاقے کو جہاد کا مرکز کیوں بنایا۔
 اس سے معاندین نے ایک نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ یہ لوگ آخرینوں کے ایکٹس تھے۔ ان ہی کے لیے
 پرانہوں نے سکھوں کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تھا مگر ان کی طاقت کمزور ہو رہی تھی اور بعد میں

انگریز آسانی سے بڑھنے کے اس علاقہ پر بھی قبضہ کر لیں۔ یہ لوگ مخالفت کے جوش میں اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اگر انگریز کی شہ پر مجاہدین نے جہاد کا ڈھونگ رہنمایا تھا، تو مسجد انہوں نے اپنی مہم کا آغاز دہلی کی طرف سے کیوں نہ کیا۔ اس صورت میں تو وہ اپنے علاقہ سے بھی قریب بہتے اور انگریزوں سے بھی آسانی کے ساتھ ہر طرح کی امداد ملتی رہتی۔ اپنے امدادی مراکز سے کٹ کر غیر ملاتہ میں جتنی مہم کا آغاز صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو فنون حرب میں کوراء اور عقل سے بالکل پدید ہو۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے بارے میں اور جو کچھ یاد ہیں، کہیں لیکن ان دونوں کو فنون حرب سے بیگانہ نہیں کہا جاسکتا۔ جنہوں نے سید احمد شہید کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی عملی زندگی کا آغاز ہی فوجی ملازمت سے ہوا تھا، وہ راست ٹونک کے بانی نواب امیر خاں کی فوج میں رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا، لہذا ان کو فنون حرب کا پورا تجربہ تھا۔ شاہ اسماعیل شہید کئی سال ان کی زیر تربیت رہے، اس لیے انہیں بھی جمعی پالوں سے بیگانہ نہیں کہا جاسکتا۔ تاریخی حقائق کے تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تحریک مجاہدین انگریزوں کے خلاف بھی تھی اور سکھوں کے خلاف بھی، لیکن چونکہ اس وقت انگریز کی پالیسی نرم تھی، اس لیے اس کے مقابلہ کو موخر کیا جاسکتا تھا۔ سکھوں کے علاقوں میں مظالم ہو رہے تھے اور ان کی خبریں برابر دہلی پہنچ رہی تھیں، اس لیے ان سے فوراً نمٹنا ضروری تھا۔ صوبہ سرحد کو مرکز اس لیے بنایا گیا تھا کہ ٹیپو مجاہدین کو جاننا پڑے ان کی قوت بھی مستحق تھی۔ اور دوسری جانب کی اسلامی حکومتوں سے فوج، اسلحہ اور رسد کی شکل میں امداد ملنے کی بھی پوری توقع تھی، چنانچہ ابتداءً ان کی یہ پالیسی کامیاب رہی۔ کچھ علاقہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا اور وہاں اسلامی اصولوں پر ایک حکومت قائم کر لی گئی۔ اس علاقہ کے عام باشندے اس نظام سے خوش اور مطمئن تھے، لیکن ایک دوسرے داروں نے دنیوی فوائد کے لالچ میں مجاہدین سے غداری کی اور ایک اسلام دشمن قوم کے ہاتھوں جہاد کی اس شاندار تحریک کا خاتمہ ہو گیا اور ان دونوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس تحریک کے دوران مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا کردار یہ رہا کہ وہ نہ انگریز کی مخالفت میں سرے کھن باندھ کر نکلا اور نہ کھنوں سے

نبرد آملانی پر تیار ہوا، البتہ جب بالاکوٹ کے غریبوں کا واقعہ کی اطلاع دہلی پہنچی تو اس گروہ نے اپنے
خبریت باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی ناکامی کی خوشی میں جشن منایا اور قلعے سے لکھے۔ مولانا
محمد حسین آزاد اپنی مشہور کتاب آبِ حیات میں لکھتے ہیں،

”پنہانچہ مولوی اسماعیل صاحب نے جب جہاد میں شکست کھائی اور دہلی میں جہاز آئی
تو انہوں (شاہ نصیر) نے اس موقع پر ایک طعانی قصیدہ کہا۔ دو شعر ہیں اس سے اس
وقت یاد ہیں۔“

کلام اللہ کی صورت، ہوا دل ان کا سپارہ
نہ یاد آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نصرت آتی
برن کی طرح میدانِ وفا میں چوڑی بھولے
اگرچہ تھے دمِ شعلہ سے وہ شہرِ فیستانی“

ایک سچے اور سچے مسلمان کے دینی جذبہ کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ ان اشعار میں مجاہدین
کے ساتھ قرآن اور حدیث کا ہمیں مذاق اڑایا گیا ہے۔ جتنا اس بات کو جاننے سے قاصر ہے کہ مجاہدین
کی تحریک کو اسلام کے منافی قرار دینے والا گروہ اس وقت اسلام کی کیا خدمت کر رہا تھا۔ جبکہ آزاد کی
۱۸۵۷ء واقعہ بالاکوٹ کے پورے چھبیس سال بعد لڑی گئی۔ اس وقت مزید اٹھشہ صدیوں دنیا میں موجود
تھے اور شاہ اسماعیل شہید، البتہ ان کے معتقدین و متوسلین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں سے
کچھ دہلی میں اور کچھ نے نواحِ ہستیوں میں رہتے ہوئے انگریز کے خلاف جہاد کیا اور عملی حصہ لیا۔
یہی نہیں بلکہ مجاہدین بالاکوٹ میں سے بچے کچھ لوگ اس کے بعد بھی برابر انگریز سے معرکہ آرا رہے
اور اس کی سزاؤں و عتابوں تک خنجرِ جہاد کھنکھاتے رہے۔ یقیناً اس کی تیاری کا کام مولانا فضل حق کے ہاتھوں بڑھایا
لیکن جنگ میں عملی حصہ لینے کی کوئی شہادت کسی روزنامہ یا تذکرہ سے نہیں ملتی۔ صرف عبداللطیف نے
اتنا لکھا ہے، ”۱۹ اگست کو مولانا فضل حق صاحب بادشاہ کے حضور میں بار بار ہوتے اور انہوں
نے کسی منصب کی خواہش کی۔ بادشاہ نے انہیں صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔“

ہنگ کے بعد انگریزوں نے انہیں فتویٰ کی تیاری کے جرم میں ہی کالے پانی کی سزا دی۔
جہاد میں عملی حصہ لینے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اپنے دور کے دو مختلف اکابرین ہیں جنہوں نے دشمنانِ اسلام
سے جہاد کیا۔

آپ کی کتاب اس موضوع پر اچھی ہے۔ زبان کی ملاءات، موقع کے لحاظ سے اشعار کی بندش
اور اپنا نظریہ پیش کرنے کی سعیِ ملیغ ہے، لیکن تاریخی اور عمرانیاتی پہلوؤں سے تجزیہ کے بعد ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شہپ فکر مادۂ اعتدال سے ہٹ گیا ہے، بہر حال حق کے متلاشی کی تجو
ختم نہیں ہوتی، وہ برابر حق کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے۔ وح
ترا یا ایم کہ نیابیم جستجوئے می کنم

پروفیسر مسعود علی

پرنسپل گورنمنٹ کالج کھیر (سندھ)

زیر نظر کتاب امتیاز حق میں رہا غلام محمد صاحب نے بڑے مدلل طریقے سے اپنے مقصد کو عمل
کرنے کی امتیازی کوشش کی ہے جو قابلِ ستائش ہے۔

اس کتاب پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے اس وقت کے
حالات پر کچھ روشنی ڈالی جائے جس زمانے کی یہ دونوں متضاد بستیوں پیدا ہوئیں۔ اٹھارہویں اور
انیسویں صدیاں مسلمانوں کے انحطاط و زوال کی صدیاں ہیں۔ مسلمان ہر جگہ مغلوب و مفتوح اور ذلیل
قرار ہوئے۔ ان کی سب سے بڑی سلطنت عثمانیہ بھی انحطاط پذیر ہو چکی تھی۔ اس طرح
مسلمانوں کی طاقت و عظمت کو زنگ لگ چکا تھا اور سیاسی طور پر وہ ہر جگہ کمزور ہو گئے تھے۔
اس زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ صرف مذہبی اور اخلاقی امور پر مرکوز رہی اور انہوں نے

ان کے ساتھ یہاں کی دیگر قومیں ہندو، مرہٹے اور سکھ اسلام دشمنی کی بنا پر ان کی حمایت کا اور مددگار بنی ہوئی تھیں۔ اس طرح یہ ان کے زبردست سیاسی حلیف تھے۔ سرانج الدولہ، حیدر علی اور تیسرے سلطان جیسے خیر اور عزت مند حکمران شکست کھا چکے تھے اور دہلی انگریزوں کے قدموں تلے آچکی تھی۔ ایسے پُر آشوب وقت میں جبکہ سیاسی، دینی و مذہبی، معاشی و معاشرتی طور پر مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، چند مقتدر علماء حضرات ملت اسلامیہ کو غلامی سے نجات دلانے کی فکریں سرگرداں تھیں اور قوم کو بیدار کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

انہی علماء حضرات میں مولانا فضل حق خیر آبادی، سید احمد شہید اور اسماعیل شہید بھی شامل تھے جنہاں بہت نال و دیکھ فوجی سردار پیشہ کے اعتبار سے انگریزوں کی غلامی و محکومی سے نجات پانے کی خاطر فوجی حکمت عملی سے بھی کام لے رہے تھے۔ ان کے جذبہ جہاد کو بیدار کرنے میں مولانا فضل حق خیر آبادی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

سید احمد شہید اور اسماعیل شہید بھی جداگانہ حکمت عملی میں پیش پیش تھے اس طرح تحریک مجاہدین کے رہبر اپنے جداگانہ عقیدہ، نظریہ اور حکمت عملی میں ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے گوکہ برگر وپ کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی مسلمانوں کو غلامی، محکومی اور پس ماندگی سے نجات دلانا۔ فضل حق خیر آبادی صاحب کچھ زیادہ قدامت پسند عالم تھے اور اس کے برخلاف سید احمد شہید اسماعیل دہلوی صاحب، محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات و تحریکات سے متاثر ہو کر عالم اسلام میں ایک نئی رُوح پھونک کر جس میں حکمت عملی کا غلبہ تھا، مسلمانوں کو ذلت سے نکالنا چاہتے تھے، لیکن عقیدہ کے اختلافات سے یہاں اتنی بڑی غلیظ پیدا ہو گئی کہ آگے چل کر بریلوی اور دیوبندی مدرسہ ہائے فکر کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر اگر جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ امتیاز حق و باطل اسلئے فضل حق خیر آبادی اور سید احمد دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ نہیں، بلکہ ہر دعوہ مدعا ہائے فکر کے درمیان اختلاف کو ہوا دینا ہے اور آج کا متوجہ علمائے دین اور تحریک مجاہدین کے کردار

کو گھٹانے اور بڑھانے میں مصروف تر نظر آتا ہے۔ یہی کوشش اس کتاب کے مصنف کی کامیابی ہے کسی بھی دو نظریوں یا اشخاص کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ مصنف خیر جانبدار ہو اور محتاط ہو۔ راجا غلام محمد صاحب جو اس کتاب اور مقالے کے خالق ہیں، ہمیں غیر جانبدار نظر نہیں آتے۔ صفحہ ۲۲، صفحہ ۵۳ و دیگر صفحات پر وہ مولانا غلام رسول جہانپوری اپنی ناراضگی اور برہمی کا اظہار سخت و کثرت الفاظ میں کر کے اپنی ذاتی علمی اور مذہبی مخالفت کی نشان دہی کرتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لکھنے سے پہلے ان کے ذہن میں اسماعیل دہلوی اور دیگر فقہار کو زیرِ کیکے مولانا فضل حق کے کردار کو زیرِ کیکرنا مقصود ہے۔

در اصل عقیدے کے ٹکراؤ اور مذہبی مخالفت نے آج بھی یہی صورت اختیار کر رکھی ہے اور اسلام پسند جماعتیں ایک دوسرے پر کھینچا چھانے میں مصروف ہیں اور مملکت پاکستان کو استحکام نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان آج بھی دینی بصیرت سے نا آشنا ہے جس کے سبب شوشلزم، کمیونزم، نصرانیت اور یہودیت کا عالم اسلام پر غلبہ ہے۔ نزاعی اختلاف کا نقصان ناقابلِ تلافی ہے۔ ہمارا اپنا مطالعہ یہی ہے کہ تحریک مجاہدین کے رہبروں میں دونوں گروہوں کی مساعی و کوششیں کارفرما رہی ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے مومچ کوثر میں سید احمد شہید و اسماعیل شہید کے مٹی جذبہ کو خوب سراہا ہے اور مبلغِ دین کا علمبردار قرار دیا ہے۔ بہر حال اس کتاب سے قارئین اور مصنفین کے اختلافات کی راہیں طویل ہونے کے مواقع زیادہ ہیں۔

حوالے ایسے دیے گئے ہیں کہ جن کی مدد سے اسماعیل شہید و برہنوی شہید کے حامیوں کو انٹرنیٹ ویل کا باسوس بتایا گیا ہے۔ تنقید و دلائل سے اختلافات بجائے گھسنے کے بڑھتے ہی بائیں گے اور ایک وقتناہی سلسلہ چلتا رہے گا۔

یہ بات اظہار میں الشمس ہے کہ ہر دو گروہ نے اپنا اپنا کردار نہایت حوصلہ مندی اور اعلیٰ ظرفی سے ادا کیا اور تاریخ کے اوراق ان کے سیاسی کردار اور جذبہ ملی کے شمار خواں ہیں۔ مولانا فضل حق صاحب کا اپنا ایک اعلیٰ مقام تھا، ان کی فضیلت اور علمی بصیرت کا سرِ کوئی مداح ہے۔ سندھ سے تحریک مجاہدین

سید احمد شہید کی عمر ۲۷-۱۸۲۶ء میں گزرے۔ یہاں ان کی بڑی آوجھت کی گئی۔ سید کے مشہور واقعہ منشی عطا محمد شکارپوری نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے اختلاف قدامت پسندی دنیٰ روشنی کی تحریک کا تھا، لیکن مذہبی اختلاف کوئی نہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیکاکا رہبری حاصل کرنے کی خواہش نے ان کے درمیان کشمکش پیدا کر دی ہو، لیکن دونوں گروپ انگریزوں کی بالا دستی اور سکھوں کی اسلام دشمنی کے خلاف تھے۔ مولانا فضل حق نے غلامی کے جوئے کو اڑھینکے کی خاطر دہلی کو میدان بنایا اور سید احمد شہید دیگر رفعتے کار نے ہندوستان سے جا کر شمالی افغانستان سے حملہ کر کے سکھوں کو نابود کرنے کی کوشش کی جنہوں نے بے کس مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔ اگر وہ انگریز کے جاسوس ہوتے تو افغان انہیں اپنے ملک میں کبھی بھی داخل نہ ہونے دیتے۔ انگریزی تسلط کو معطل کرنے کا سہرا سید نے بھی قبول کیا تھا، کیونکہ ان کی دشمن داخلی تھا، خارجی نہ تھا۔ یہی نظر یہ سید احمد شہید و انھیں شہید کا بھی ہو سکتا ہے کہ سکھوں کے جہاد پر غلبہ پانے کے بعد انگریزوں کی خبر لینی ہے۔

مختصر یہ کہ جارجاٹ انداز کے برعکس معتدل رویت اختیار کرنا مصطفیٰ کے لیے سودمند ثابت ہوتا۔ جارجاٹ انداز جانب داری کے شکوک پیدا کرتا ہے اور اس سے اس کتاب کی صحت پر اچھا اثر قرب نہیں ہوتا۔ مخالفت گروپ کے لیے تاثر توڑ حملوں کا سلسلہ دراز ہونے کا پورا امکان ہے جس سے اختلافات کی راہیں مسدود ہونے کے بجائے کشادہ ہوتی چلی جائیں گی اور غیر اقوام کو فائدہ ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کو غیروں کے بجائے اپنوں ہی سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس لیے نہایت ہے کہ خلیج کو پاٹنے کی کوششیں تیز تر کی جائیں۔

پرفیسر محمد قاسم

گورنمنٹ انٹر کالج - راوی روڈ لاہور

تاریخِ بخاری ایک ایسا فن ہے جس کی حکمت کو نہ مرنے والے مفسرینِ صحیح حالات کا اندازہ دینا چاہیے، بلکہ اس کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے اس کا رازِ حقیقہ اور دماغ بھی بہت دانا چاہیے۔ تاریخِ مورخ وہی ہو سکتا ہے اور غیر جانبدار اور مکمل حالات دینی بیان کر سکتا ہے میں کا پناہ کو درجے دار و درود غیر جانبداری کی روش پر مبنی، ہرگز نہ کسی کی کاسہ عیسیٰ میں دن گزارا، ہرگز نہ کسی کی تعظیم کے متعلق جاننے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے فکر کے بارے میں جاننا ہمارے اور اس کی تعلیمات کو ملاحظہ کر کے اس کی صحیح و کاسی کی جا سکتی ہے۔ کچھ لکھنے سے پہلے میں تاریخِ بخاری کا صرف ایک اصول بتاؤں کہ زمانہ مستقبل کا مورخ اپنے ماضی کی تاریخ کو بغیر صحیح بنا سکتا ہے کسی واقعہ یا حالات کی تصویر تو ہر کوئی ایک عیسیٰ یا پھر معمولی دو وکیل سے پیش کر دیتا ہے، مگر کسی کی زندگی کے حالات کے متعلق لکھتے وقت تین آراء مورخ کے سامنے آتی ہیں۔ ایک مکمل جانبدار رہے ہیں، موصوف کی ہر بات کو ایسے ہی اپنے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی نئی معلوم ہو جیسے ابو الفضل فیثی نے اکبر کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھا، اولیے و حقیقت نہ دیا، دوسری رائے مکمل مخالفت پر مبنی ہوتی ہے کہ لکھنے والا موصوف کے برعکس کو پا رہے وہ اچھا ہی مرد اس انداز میں پیش کرے کہ قاری موصوف کو شیطان کا پیلا سمجھے۔ تیسری اور قابل عمل رائے جس کو قاری بہتر اور صحیح سمجھ سکتا ہے، وہ ہے کسی غیر جانبدار شخص کی رائے۔

کسی شخص کے حالاتِ زندگی جاننے کے لیے آپ ان دنوں آ رہے ہیں کہس کو بہتر سمجھیں گے، یقیناً تیسری رائے کو۔ اس اصول کو ملاحظہ کرتے ہوئے زیر نظر کتاب امتیاز حق کے مصنف کے بارے میں نو فیصد

کریمؐ کو ذرا متنبہ نہ کر کے ان قزاقوں میں سے کسی پریشانی نہ کرے۔ ہر معاملہ کو قاب کے مذہب بات کا
توان کا مختصر جائزہ ذیل میں درج ہے :

ذیل کے شاہ اسماعیل شاہ عبدالعزیز بن مسرت شاہ اور شاہ محبت دہلوی کے مہر تھے۔ ان کے تیار کردہ
دہلوی رہا کے شاہ اسماعیل اور سید محی صاحب کافی عرصہ سے شاہ عبدالعزیز کے ساتھ مل کر شاہ دلی شاہ
کی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے مدرسہ رحیمیہ میں کام کرتے رہے تھے اور اپنے والد بزرگوار کی تعلیمات کی روشنی
میں شاہ عبدالعزیز نے ہی بہادری کی نظر تکمیل کی دانتیں ڈالی تھیں۔ ان کے نقطہ نظروں ہی دشمنان تھے
انگریزوں اور سکھ تھے۔ سید محمد لودھی، دلی ریسید، جس تعلیم پر ان میں موت تھی چرند و پود، عربی
اپنی غرض و مقصد رکھتے تھے۔ اس لیے ان کو اس تعلیم کا بڑا بڑا دیکھ اور شاہ اسماعیل اور سید محی دونوں
صحابیات کو معاون مقرر کیا گیا اس لیے اگر سید اسماعیل دلی بہادری کو امر و نہی اتنا بڑا کھڑکھڑا کر رہا ہے
کہ معاف نہ کر سکتے، سید علی اکبر اور مسرت محمد کی شان کی وجہ سے تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے۔
کہ ان اصحاب کی اگر کوئی شہادت نہ ہو تو ان کے والدین کا بیٹا خود کو حرامی مشابہت پھرے اور والدین پر بدعت و
قلاں میں قہور و حدین کا تو نہیں۔

دوم: مسکوں کے خلاف : بادشاہی برت میں راجا غلام محمد نے کہا ہے کہ انگریزوں کے خلاف
بہادریوں نہ کیا۔ یہ سوال کرنے سے پہلے انہیں اس وقت کے حالات کا اور آخری کی پامی کا اندازہ ضرور
میرنا چاہیے کیا اس وقت کوئی ایسی مسلم طاقت پر مغرب میں موجود تھی جو برطانوی مسلمانوں کی انگریز کے خلاف
بہادری میں مدد کر سکتی۔ کیا تمام مسلم ریاستیں انگریزی باغیزار نہ تھیں۔ کیا دہلی نظام کے تحت ان کی خود مختاری
قائم تھی۔ نیز تو وہ کس طرح مسلمانوں کی مدد کرتے۔ بلکہ اس تنظیم کے پس خود اتنے وسائل نہ تھے کہ جنگ کی
صورت میں رہا کا تسلسل قائم کر سکتے اور پھر اس وقت انگریز کو بہر صورت اپنا اقتدار قائم رکھنا مقصود
تھا۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کی عبادات و عبادات میں کسی قسم کا دخل نہ دیا، مگر سب کو شہید اور شہید
پر قابض تھے۔ کیا ان کے زیر اثر مسلمانوں کو اپنی مذہبی فرائض انجام دینے کی اجازت تھی۔ کیا وہ
ذات نہ رکھتے تھے۔ کیا ان کے تبلیغ و ترویج کر سکتے تھے۔ کیا ان کی تعلیم انہیں غلط تعلیم، عبادات، مہر سید

مفتوح تھی۔ بالکل نہیں۔ وہ اذان نہیں دے سکتے تھے مسجدوں کو اصطبل اور بارود خانوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ مدرسے تباہ کر دیئے گئے تھے۔ کیا یہ سب کچھ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے تھا، بڑبڑ نہیں۔ آپ خود سمجھ لیجئے کہ اگر کسی کے دشمن ہوں ایک خاموش ہوا اور دوسرا گھر کو بھلا دے۔ گھر میں آگ لگا دے۔ آپ کس کے گلے پڑیں گے۔ خاموش رہنے والے کتنے نہیں! یقیناً آپ آگ لگانے والے کو مارنے دوڑیں گے اور اس لڑائی میں اگر آپ کا دوسرا دشمن کچھ معاونت کرے گا تو آپ دھتکار نہیں سکیں گے یہ علیحدہ بات ہے کہ اس میں اس کی کوئی چال ہو اور وہ اس تباہی کو اس کی مکمل طاقت میں بدلنا چاہتا ہو اور یہ سمجھتا اس شخص کا کام ہے۔ یہی صورت سکھوں کے خلاف جہاد کی تھی اور سرمد کا علاقہ اس لیے مستعجب کیا تھا کہ وہاں مسلمان حکومت تھی اور پشت پر بھی افغانستان کی مسلم حکومت تھی۔ اگر ہندوستان میں رہتے ہوئے سکھوں سے جہاد کرتے تو پشت سے انگریز کے حملہ کا بھی خطرہ ہو سکتا تھا۔

سوم: مصنف کتاب بذاتے ہر ممکن یہ کوشش کی ہے کہ تحریک مجاہدین کو انگریزوں کا حاشیہ قرار قرار دے جس کی دلیل میں ایک ہی بات کو بار بار مختلف پیرائے میں بیان کر کے مضمون کو طویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انگریزوں نے مجاہدین کی معاونت کی یا نہیں، یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ درحقیقت انگریز نے یہاں بھی اپنی پالیسی یہ کہہ کر اور حکومت کرو اپنائی۔ یہاں اس کی پالیسی وہ فرقہ نہیں بلکہ تین فرقہ تھی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار نہیں بلکہ تین شکار کیے۔ اول ہندوستانی مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کیا۔ دوم سکھوں کے زور کو توڑا۔ اور سوم یہ کہ انہماک کی طاقت کا حشرہ بکھیرا۔ یہ تھی انگریز کی چال، جس میں ہندوستانی مسلمان پہلے بھی پھنسے تھے اور اب کہ پھر اسی دلدل میں دھنسے گئے تھے۔ سرمد کا علاقہ جنگ کے لیے منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک مسلم حکومت کا قیام عمل میں لاکر جو کہ ان خطوط پر مبنی ہو جن کی نشان دہی شاہ ولی اللہ صاحب نے کی تھی۔ ہندوستانی کی آزادی کی لٹانیوں ڈالی جائے مگر حزب دہان حکومت قائم ہو گئی اور وہاں کے امرا نے بیعت و اطاعت قبول کر لی تو پھر انگریز اور سکھوں کی چالوں سے مسلمانوں میں آپس میں ٹھن گئی۔ فرقہ واریت کا بیج بویا گیا اور اسے خوب بڑا دی گئی اور اس پھیلنا۔ یہ غریب آگ بڑھ کر جو افغانوں کا ہوا ہے۔ یہ نتیجہ ہوئی۔

کوئی اطاعت قبول کرے اور پھر بغاوت کر دے، تو امیر کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس کا
 اعزاء آپ خود کہیں اور یہ بات بھی مد نظر رکھیں کہ اس وقت ایک حکومت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔
 رہا معاملہ ان کے خلاف فتویٰ کا تو میں بھی اس کے حق میں نہیں۔ میں صرف تاریخ کی رو سے حقائق کو بیان
 کرنے کی کوشش کروں گا۔ چہاں یہ کہ شاہ اسماعیل کے بارے میں مصنف نے برہات میں صرف ایک
 ہی دلیل کو ہر رنگ میں پیش کر کے گردا گرد کی کوشش کی ہے اور وہ ہے چٹنہ کا وعظ۔ جا سوچی گا لب
 ہے یا سیاسی کردار کا، انگریزوں کی کاسرسی کا باب ہے یا سکھوں سے تباہ کا، ہر جگہ صرف اسی ایک
 دلیل کو بنیاد بنایا گیا ہے جو تاریخ نگاری کے ساتھ ایک مذاق ہے اور پھر مصنف نے حوالہ بات میں ایک
 ہی مصنف کی دو متضاد آراء کو ایک ہی پریشانی میں بیان کر کے اپنے مضمون کے توازن کو بھی بگاڑ دیا ہے۔
 پنجم، مصنف کسی صورت بھی دونوں اصحاب کا مجازہ کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے۔ فضل حق
 شیر آبادی کا تو معذور بہت ذکر ہے، مگر شاہ اسماعیل کے بارے میں مصنف نے نہایت تعصب سے کام لیتے
 ہوئے ہر باب میں ملامت کرنے کی کوشش کی ہے مگر کتاب کا ہر باب شاہ اسماعیل کے بارے میں نہیں
 بلکہ سید غفر حسین سید احمد دہلوی، اور دوسرے پیر و کاروں اور سوانح نگاروں پر تنقید اور ان کے خلاف
 اور بیانات کو جھٹلانے پر صرف ہوا ہے۔ یہ باب فتویٰ کے بارے میں یا جہاد کے بارے میں مکتبہ بیان
 کے بارے میں ہے یا انگریزوں کے حاشیہ برداروں کے بارے میں، اس میں ذکر صرف اور صرف
 اور زیادہ تر سید احمد اور دوسرے پیر و کاروں کا ہے۔ شاہ اسماعیل کا نہیں، بلکہ برہات میں مصنف نے
 دیدہ و دانستہ شاہ اسماعیل کو ہر کام میں ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ ذکر تو وہ سید احمد کا کرتا ہے مگر
 باب کا افتتاح شاہ اسماعیل پر کر کے ان پر لعن طعن کرتا ہے۔ یہ متعصب رویہ کسی طور پر تاریخ نگاری کے
 شایان شان نہیں۔

رہا معاملہ سید محمد کی وراثت کا، تو یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مفرج خاں زمی دو ایک عرصہ تک
 عبدالوہاب کے ساتھ رہے تھے مگر شاہ اسماعیل اور عبدالحی وغیرہ کسی کی یاد الوہاب سے ملاقات نہیں ہوئی،

بلکہ یہ دونوں اصحاب شاہ عبدالعزیز کے مرید تھے۔ اگر کوئی ان کو سید احمد کامرید یا غلیفہ ثابت کرتا ہے تو یہ اس کی کم عقلی ہے اور اسے حقیقت کو جاننے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کرنی چاہیے۔ نیک آئندہ اس کتاب میں سامنے رکھ کر کسی کی کردار کشی کی خاطر اس میں سے حوالہ جات نقل کر کے کتاب لکھو گے۔

پروفیسر میاں مقبول احمد

گورنمنٹ انسٹرکٹ، راوی روڈ۔ لاہور

تحریک آزادی کے علمبرداروں کی انفرادی اور اجتماعی کاوشوں کا احاطہ کرنا کوئی آسان کام نہیں اور پھر ان کا تعلیمی جائزہ تو اود بھی مشکل ہے جس کے لیے تاریخی واقعات اور سیاسی حالات کا گہرا مطالعہ اور شعور درکار ہے۔ یہ ہماری کم فیسی ہے کہ داعیان آزادی کی شخصیتیں ہمیشہ متنازع رہی ہیں۔ اپنے حواریوں کی نظر میں ان کا کردار فرشتوں سے برتر ہے، جبکہ مخالفین کے نزدیک ان کا ہر فعل شک شبہ کی نگاہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ عقیدہ کی وابستگی ہے۔ عقائد اور مسلک سے بالا تر ہو کر اگر تاریخی حقائق اور سیاسی شواہد پر مکمل غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو محض وقیع کی ایک متوازن صورت پیش کی جاسکتی ہے۔

راجا غلام محمد صاحب نے امتیاز حق میں اسی متنازعہ فیہ مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور وہ اپنا انداز میں بہت مذہک کامیاب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے حالات و واقعات پر حوالوں کی روشنی میں ترمیم کرتے ہوئے قارئین کے اذہان میں حقائق کو نقش کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ ————— مورخین

کی گہری چسپاں سے کہیں کہیں لہجہ کی درشتی کا بھی احساس ضرور ہوتا ہے تاریخ نویسی کا ذریعہ اصول غیر جانبداری اس وقت پیش نظر ہے۔ موازنہ اور مقابلہ کرتے وقت بے لاگ تبصروں ضروری ہوتا ہے۔ ایک ہم مشرب ہم مسلک اور ہمہما کے لیے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، لیکن ایک معتدی اور

غیر جانبدار قاری کے لیے یہ حد ضروری ہوتا ہے۔ رام با صاحب نے اعتراضات کے ابطال میں زور قلم صرف کر دیا ہے اور جسحاق آزماست کہ برماست، خود مخالفین کی نگارشات سے بڑی کامیابی کے ساتھ ان کے اعتراضات کا رد پیش کر دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ منطقی انداز میں اعتراضات بھی اٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے کہیں موضوع سخن شخصیتوں کے جذبہ آزادی کا اعتراف نہیں کیا۔ ان کے طریق کار سے لاکھ اختلاف ہیں، مگر بنیادی جذبہ آزادی تو کم از کم قد و استمسان کی نظر سے دیکھنا بنا ضروری ہے۔ میرے خیال میں اگر تحریک مجاہدین کا انگریزوں کی سلسلہ پابندی پھوٹ ڈالو اور حکومت کوڑے کے میں منظر میں دیکھا جائے، تو باجمعی منافرت کی اصل وجہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جو وہ اپنی بقائے حکومت کے لیے یہ بہ نفع ذریعہ عمل لاتے تھے۔ مجاہدین نہ تو انگریزوں کے حاشیہ بردار تھے اور نہ ہی کھول کو اپنا خیر خواہ یا معاون سمجھتے تھے۔ انہوں نے تحریک چلائی، آزادی کا نعرو بلند کیا، تنظیم کی داغ بیل ڈالی، قوم میں آزادی کا جذبہ ابھارا، بے لوث مخلصی کے عالم میں ہمسامہ حالات کا سامن کیا، اپنے ساتھیوں اور بعد میں آنے والے حریت پسندوں کے لیے راہِ عمل و جہاد کو ہموار کیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی بساط اور طاقت کے مطابق شجر آزادی کا بیج بویا اور اس کی آبیاری کی کسی نے کم کسی نے زیادہ۔ ہر ایک کا حصہ بقدر طاقت اور ست تسلیم کرنا حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کسی کی کوششوں، دھوکا دہنوں کی تحریک نظر انداز کر دینا انصاف کے سراسر منافی ہے۔ حصول مقصد کے لیے جو چیزیں لازم آتی ہیں، ایک جذبہ اور دوسرا عمل۔ جذبہ بنیادی چیز ہے اور عمل اختیاری۔ جذبہ کی مدد سے انسان ناممکن ہوتا ہے، البتہ عمل میں نمایاں کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں ہر وقت متعین قرار دی جاسکتی ہیں لیکن شہرہ یہ ہے کہ انہیں حالات و واقعات کی کسوٹی پر ضرور پرکھا جائے بلکہ اگر ان کی کشتی کا شائبہ نہ ہو۔

جذبات و عواطف اور عقائد کی دل بستگی کے باوجود ایک پاکستانی کو کسی نوع اس حقیقت سے مفر نہیں کہ دینی رہنماؤں ملت کے اکابرین سیاسی لیڈروں، مفکرین، مجاہدین، ادبا و دانشور سب نے مل کر اپنی استطاعت کے مطابق تحریک آزادی کو پروان چڑھایا اور تعمیر پاکستان میں متفقہ و بھر پور کوشش کی۔ لیکن ہم ایک خود مختار اور اسلامی مملکت میں نہیں رہیں گے۔ ہمیں اس سے بھی دو ہمارے

عصب بزرگوں کی سماجی جیلد کا شرشری ہے۔ اکابرین کی حرف گیری ہمیں زیب نہیں دیتی۔ ان کے باہمی سیاسی اختلاف سے بھی ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ان سب سے جیسے بھی بن پڑا، انہوں نے ہمیں پاکستان لے دیا۔ اب مادرِ وطن کی عزت و ناموس اور بقا و استحکام کی خاطر ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

جناب بزمی انصاری

۸۷۔ جگ این۔ تاریخہ ناظم آباد کراچی ۲۲

امتیاز حق نامی کتاب کالب و ایجہ کہیں کہیں تصنیف و تالیف کے مسئلہ روابط کے خلاف تلخ اور درشت ہو گیا ہے۔ نیز یہ کتاب فرقہ وارانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ میں طبائع جو اداس پسند آدمی ہوں، خواہ مخواہ کسی متنازعہ معاملے میں اپنے آپ کو ملوث کرنا نہیں چاہتا، لہذا میں ایسی کتاب پڑھنا ضرور کرنے سے معذور ہوں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایم اے، پٹی ایچ ڈی، ڈی ٹ

ایڈیٹر، نگار پاکستان، کراچی

امتیاز حق میری نظر سے پہلی کتاب گزری جس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی اصل کیفیت تاریخی حقائق کی روشنی میں سامنے لائی گئی۔ اس سے پہلے حکیم محمود امجد برکاتی صاحب کی مختصر کتاب دیکھی اور اس شخص کی تحسین لیکن امتیاز حق نے دل و دماغ دونوں کو سخر کر لیا۔ راجا غلام محمد صاحب ایک نئے اور دونوں موضوع پر جس پر عالمانہ اور محققانہ انداز سے گفتگو کی ہے وہ ان کی تاریخی بصیرت

اور وسعت مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔ عموماً ایسے موضوعات پر جہاں سے مؤرخ اور صاحب الرائے
 اہل قلم تک جذباتی اور جانبدارانہ لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ لہجہ ان کی تنگ نظری اور کم علمی پر مبنی
 ہوتا ہے۔ لیکن مجھے راجا صاحب کے قلم میں ایسا اعتدال و توازن نظر آیا کہ ان کے علم و فضل کا قابلِ بیجا
 "مولانا فضل حق خیر آبادی" کی شخصیت کو ہمارے مؤرخین نے کس طرح توڑ مرڈ کر پیش کیا ہے،
 اس کا مجھے پورا فائدہ امتیاز حق کے مطالعہ سے ہوا۔ راجا صاحب نے بڑی خوبصورتی اور قوت کے
 ساتھ ان کے مخالفین کو جواب دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سید احمد بریلوی کے بارے میں
 میرا نقطہ نظر بدل گیا اور میں خود کو مجبور پاتا ہوں کہ ان کے معرکوں اور مجاہد فی سبیل اللہ پر ادرس و شہادہ و دلہا
 ہمایا کر کچھلے پھرتیں برسوں میں آزادی کے حوالے سے سید احمد ادران کی تحریک کے بارے میں بیشتر
 کتب و مقالات لکھے گئے ان میں سے بیشتر میں یہ کوشش کی گئی کہ انہیں ملحد و دیوبند سے منسلک کر کے
 جنگ آزادی کا سب سے بڑا مجاہد ثابت کیا۔ اس کوشش میں حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈالے گئے کہ
 پردہ کے سوا اور کچھ سامنے نہ رہا۔ ایسے میں عام پڑھے لکھے طبقے کا سید احمد کو مجاہد اعظم سمجھ لینا اور
 مولانا فضل حق خیر آبادی سے بدگمان ہو جانا حیرت انگیز و متضاد راجا صاحب کی کتاب اگرچہ صرف ۱۹۵۰ء
 صفحات پر مشتمل ہے، لیکن انہوں نے جس حسن و خوبی سے محاکمہ کیا ہے اور فضل حق خیر آبادی و سید احمد کے
 کرداروں کا فرق واضح کیا ہے وہ اسے ایک جامع کتاب کی حیثیت دے دیتا ہے کوئی دوسرا ہوتا تو
 جیسے جیسے اقتباسات کے ذریعہ کتاب کو تخفیم بنا دیتا۔ راجا صاحب نے اصل موضوع کو بھرپور وقت سامنے
 رکھا ہے اور جس طرح ایک اچھا وکیل صرف ضروری باتیں، مصنفین کے سامنے پیش کرتا ہے اور حیل
 کو لٹا فحالی کے بجائے دلائل اور حقائق کے ذریعہ انصاف کی طرف راجع کرتا ہے، بالکل اسی طرح اس
 کتاب میں صرف کام کی باتیں ہی کہی گئی ہیں نہ لٹا فحالی ہے نہ انشاد پر وازی، نہ طویل اقتباسات ہیں، نہ
 جیسے جیسے حوالے صرف شہادتیں اور اسناد ہیں، وہ بھی مختصر اور بر عمل، نتیجہً بات کی تک پہنچا پنہا شکل نہیں
 دجاتا اور کتاب کا قاری پوری دیانت کے ساتھ مصنف کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک
 اس کتاب کے حوالے میں کوئی اور کتاب سامنے نہیں آتی اسے اپنے موضوع پر صرف آخری کجما جانے والا
 اس کا قاری، سید احمد کے بجائے مولانا فضل حق خیر آبادی کو اصل مجاہد سمجھے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، سکریٹ، نواب شاہ (سندھ)

انتیاز بنی اسم ہستی ہے۔ اس کتاب میں مولانا فضل حق فیہ آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے کردار کا حقائق و واقعات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور تاریخ کے غشی گوشوں پر وہ انجلیا گیا ہے۔ ہمارے بعض مورخوں نے تاریخی حقائق کو عقیدے کی عینک سے دیکھا اور ایک طرف جنگ گئے اور دوسری سمت کو بحیرہ نظر انداز کر دیا یہی نہیں بلکہ ایسی خاک اڑائی کہ دوسری سمت نظر نہ آئی۔ سفید کو سیاہ بنایا اور کمرے کو کھوٹا کر دکھایا، اس طرح پوری قوم کو دھوکہ دیا یہ ایک قومی سانحہ ہے اور عظیم المیہ۔ یہ وہ رونا ہے کہ شہادت ہمسایہ کے خوف سے اس کا زیادہ چربا بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے مورخوں کی ایک طرف یہ کرم فرمائی کہ شلوک شہادت کو محبوب کو مبرور بنایا اور دوسری طرف یہ قبر اخیزی کو محبوب و مبرور شہادت مردود۔ پاکستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اسی قسم کی قبر سامانیوں کے پیش نظر کھلے دل سے یہ اعتراف فرمایا کہ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے سب یک طرفہ ہے۔ ہم کو فاضل مزوف راجا نظام محمد صاحب زید مجتہد کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے دوسری طرف بھی توجہ فرمائی اور شاکھی کی بنیاد و حقیقتوں پر روشنی افسانوں پر نہیں۔

مؤلف کا طرز استدلال نہایت پختہ اور طرز تحریر نہایت شگفتہ ہے۔ اشعار ایسے بر محل اور بہتہ میسے اس موقع کے لیے کہے گئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ کے طالب علم تو اس سے محظوظ ہوں گے۔ مگر ادب کے طالب علم بھی محظوظ ہوتے بغیر نہ رہیں گے۔ لعن و طعن ساز میں فی نفسہ اچھا نہیں سمجھتا کیونکہ ان کی تمنی و ترشی تحریر کو بد مزہ اور مستند کو مجروح کر دیتی ہے، مگر فاضل مؤلف کا

یہ کمال بیان ہے کہ ان کے تیر و شتر ایسے دل آویز و دل پذیر ہیں کہ شاید مستقبل و مجرد بھی داد دیکھنے لیتا رہے۔

امتیاز حق کے مطالعہ سے ان حضرات کے فکر و خیال میں تبدیلی مشکل معلوم ہوتی ہے، جنہوں نے تاریخی حقائق کو عقائد کا درجہ دے رکھا ہے اور تاریخ کی روح ہی سے یکسر نا بلند ہیں، البتہ ان حضرات میں تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے جو تاریخ کو عقائد کی نہیں حقائق کی روشنی میں پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ تبدیلی آئی یا یہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ابھی ہم نے جو عقل کو براہ نہیں کیا اور ہر امر کی دگر بخاری کے باوجود عقل کی بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فاضل و کرم را با عظیم محمد صاحب زید مجدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا انہوں نے تاریخی حقائق کو واشگاف بیان کیا اور حسن بیان سے جمال حق کی لاج رکھ لی۔ اُمید ہے کہ ان کی یہ کتاب حق پسندوں میں مقبول و محبوب ہوگی۔ تا شرعی مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے فہرستان اسلام کو سچی تاریخ سے روشناس کرایا آنکھوں سے پردہ ہٹایا اور دل و دماغ کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کا اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو چراغ ہدایت بنائے آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و سلم

ماہنامہ فیضان لاہور۔ جون ۱۹۷۹ء

پروفیسر سید محمد عارف

گورنمنٹ کالج۔ بہاولپور

ہرمزمانے میں مذہب و مسلک کے تعصبات کے پیش نظر مومنین نے تاریخی جہاد یا غنیموں کا استحکام کیا ہے، لیکن زمانہ بقول اقبال نسیری کائنات ہے۔ — کھاکھوٹا الگ کر بی کی جیجے کتاب امتیاز حق کا میں نے بالامتیاز۔ و لکھا۔ انما بنی جنوں اس کے اوراق پلٹتا تھا،

حیرت و استعجاب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل شہید کے بارے میں میرے اپنے مطالعے کے پیدا شدہ سوالات ٹوٹتے جاتے تھے۔ دراصل مذکورہ بزرگوں کے عقیدہ و فہم مورخین نے ان کی جو تصویر کشی کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے سخت دشمن تھے، حالانکہ واقعات کو غیر جانبداری سے دیکھا جائے، تو مصنف کے دلائل بڑے ذہنی معلوم ہوتے ہیں کہ درحقیقت معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ ان کے معروف جہاد میں انگریزی حکم کی اعانت ہر قدم پر شامل حال رہی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ گئے تھے سکھوں سے جہاد کرنے، لیکن سرحدی مسلمانوں سے جا بھڑے، کیونکہ ان کی نظر میں وہ بھی بدعتی تھے، مشرک تھے، لہذا قابلِ گردن زدنی تھے، حالانکہ اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت پر ضرب کاری لگی جسے انگریزوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔

مجھے مرحومین سے کیا پرغاش ہو سکتی ہے، لیکن اتنا انصاف تو ضرور ہونا چاہیے کہ تاریخ میں جو شخصیت میں مقام کی استحقاق ہے، اسے وہی مقام دیا جائے۔ یہ مسلکی تعصب کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے کہ فضل حق خیر آبادی، جن کی خدمات جہادِ آزادی میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، کو پس پشت ڈال دیا گیا اور وہ لوگ جن کی کوششیں کسی اور رخ پر ہوئی رہیں، ان کی عظمت کو بڑھانے کے لیے اس قدر جھوٹ بولا گیا کہ وہ سچ معلوم ہونے لگا اور ثقہ لوگوں کی غلط نمائی نے حقائق کو اس قدر مسخ کیا کہ مسلمان پٹھانوں کے خلاف ان معرکوں کو تحریکِ پاکستان کی بنیاد قرار دیا جانے لگا۔

ناطقہ سرحدیں یہاں ہے اسے کیا کیجیے

نام نہاد محققین و مورخین اسلام نے سید احمد بریلوی و اسماعیل شہید کی سیرت و سوانح پر بڑی شد و مد سے قلم اٹھایا، لیکن فضل حق خیر آبادی کے سلسلے میں ان کا وہی رویہ نہ رہا۔ مومن نہ ہوں جو ریل رکھیں بدعتی سے ہم

مصنف کتاب بنانے بڑی تحقیق اور بڑے سلیسے سے ان ہی کے اکابر کے حوالوں سے ناانصافیوں کے ازالے کی کامیاب کوشش کی ہے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

جناب محمد اسرئیل

سابق مترجم السنۃ شرقیہ، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی

کتاب میں نے اول سے آخر تک غور و خوض کے ساتھ حرفاً حرفاً اور کئی بار پریمی حقیقت یہ ہے کہ محترم راجا صاحب زید مجدہ نے مواد جمع کرنے، تسلیمتہ مندی اور خوش اسلوبی سے ترتیب دیئے، مناسب مقصد پر جستہ اشعار کیا موتی پرونے میں بڑی ہانفتاشانی، محنت شاقہ و عرق بیزی سے کام لیا ہے اور کمال یہ ہے کہ امتیاز حق و باطل کے لیے سارے حوالے ان لوگوں کی کتابوں سے لیے ہیں جو نا حق استاد الا سادہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل صالح کو فناء میں بکھیرنے اور ان کے روشن کردہ چراغ کو حسد کے چھوٹوں سے بچانے کی ہمگیر کوشش کرتے ہیں۔ پھر بہتر اتنی سادہ، رواں اور منعقد ہے کہ ساری کتاب میں ان لوگوں کے برکت تحقیر یا تنقیص کا شائبہ بہک نہیں، غرضیکہ محترم راجا صاحب کی اس کاوش اور سعی ینف کے لیے راقم کیا سلسلہ عالیہ خیر آبادیہ کے تمام متوسلین تہ دل سے شکر گزار رہیں گے۔

حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے دہلی سے نکلنے یا نکالنے اور تحریک مجاہدین کے متعلق میں دو ہم عصر حضرات کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں اور آخر میں بزرگوں سے اپنی سنی ہوئی اور کچھ ویکی ہوئی باتیں عرض کروں گا، جن سے امتیاز حق کی مزید تائید ہوتی ہے۔

(۱) مولانا ابو محمد قلند علی الزبیری الاسدی پانی پتی اپنی کتاب تنزیل التفسیر فی تفسیر البشیر والشر

میں تحریر فرماتے ہیں:

”اور ہا شک مولوی اسماعیل دہلوی حافظ قرآن اور عالم باعمل تھا، لیکن متعادہ جگہ اُترنے والا اپنے اکابر معاصرین سے اور شدت کرنے والا عارفین کے خلفاء پر، اُن سے اس واسطے عادت تھی

کہ امراء و سلاطین ان غلغلاہ و عرفار کو غلطیات کثیر دیتے تھے، اس کو اس قدر نہ دیتے تھے، پس مسد
ہوا اس کو اور اپنے وعظ میں بڑا کہنا ان کو شروع کیا، حتیٰ کہ استعانت باولیا و کرامات عرفاء سے بھی
انکار کیا اور اختیار کیا مذہب عبد الوہاب ناصبی نجدی کا، جس کی مذمت حدیث بخاری سے قطع ہے
پس اُس کے زمانہ کے علماء و فضلاء نے اس کو بڑا کہا اور بُرا مانا اور اس سے مباحثہ کیا۔ آخر الامور مباحثہ
منہج پر مشتمل ہوا اور اس کی تنقیر کی اور حاکم کے حکم سے دہلی سے خارج کروایا (توضیح)
اس عبارت سے اسماعیل صاحب کے کردار پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ مؤلف اسی عہد کے
بنشہم دیدگاہ ہیں۔

(۲) شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوائی اپنی کتاب بہارستان افغانی (پشتو)
میں سید باچا اور شاہ اسماعیل کے متعلق لکھتے ہیں،

”پنجتوں کے ملک کے مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ سید باچا کا ہے جو سرخسرا قبل
پشاور اور افغانستان کے علاقوں میں پیش آیا تھا، جس میں بہت سے مسلمان پٹھان و رانی علماء اور
سوار تاجرانہ ضائع اور قتل ہوئے اور سینکڑوں دیہات برباد ہو گئے۔ یہ فتنہ اس سرزمین میں صرف
پارسل تک برپا رہا، لیکن چنگیز، بلاکو اور نادر کی تباہیوں سے زیادہ ملک کو نقصان پہنچایا اور زمین
دنیاوی نقصان نہیں، بلکہ لوگوں کے خاندان بھی خراب کر دیئے۔ (توضیح)
ص ۶۱ پر لکھتے ہیں،

”مولوی اسماعیل جو شاہ عبدالعزیز کے جیسے اور شاگرد بھی تھے اور بہت ذکاوت مند تھے، اپنی
بدعتیہ گئی کے سبب کہ فقہ نہیں مانتے تھے اور تعلیم کے منکر تھے، دہلی میں اس کا گورنر نہیں ہو سکتا تھا
بادشاہ اس سے ناراض تھا۔ جامع مسجد میں کوئی نماز پڑھنے نہیں دیتا تھا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی جو
اس وقت کے بڑے فاضل اور علامہ تھے اور ریڈیٹ صاحب دہلی اور میرادشاہ بادشاہ دہلی کے
بڑے دوست تھے۔ مولوی ان کا دشمن ہو گیا، کیونکہ وہ تمام مستفیدین کو جتنی کتنا ختم نہیں اپنے خیالات کی اشاعت
کے لیے صارف کار تھا۔ اس لیے سید سے معاملہ اور اس کا مرید بن گیا (توضیح)۔

صفحہ پر لکھتے ہیں :

"اسی سال (۱۷۸۳ء) کو پنجتار کے مقام پر ہندوستانوں کے بہت سے قافلے ایچوادی اور عظیم آباد سے کثیر سامانِ رصد کے ساتھ پہنچ گئے مگر ان میں سے محبوب علی دہلوی سید کے کردار سے بڑا نامراض ہو گیا اور ان پر بڑے اعتراضات کیے کہ آپ کی امامت اور جہاد قطعاً صحیح نہیں ہے آپ بہت المال کی رقم بے جا خرچ کرتے ہیں بہت سارے لوگوں کو ناحق اکٹھا کیا ہے۔ ساتھ ہی غریبوں کو بڑا بھلا کہا کہ جہاد تم یہاں کس لیے بیٹھے ہو، تم یہاں باپ، اولاد اور بیویوں کا حق سنبھال کیا کرتے ہو؟ مات و ن پکانے کھانے میں لگے رہتے ہو کون سے کافر سے تم نے جہاد کیا؟ تمہارا دین دنیا فوں خراب میں بنا دو اور پھر سید سے کہا کہ آپ کا مطلب سرداری اور حکومت ہے، سرے سے آپ کی بات ہی نا جانز ہے۔ اس پر بہت سے غازی پراگندہ ہو گئے اور مولوی محبوب علی جو سید کے خاص مددگار تھے بہت سارے لوگوں کے ساتھ ہندوستان واپس چلے گئے اور ہندوستان کی مدد بند کی۔" (ترجمہ)

صفحہ پر لکھتے ہیں :

"سید کا دواؤ جب بڑھ گیا، تو اس نے سمر (علاقہ قیوسف زئی) کے تمام خواہن اور سردار اور دہ لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بغیر کچھ ایسے دیتے کنواری لڑکیوں اور بیواؤں کی شادیاں کراؤ، چنانچہ ہزاروں کنواریاں سیاہ دی گئیں، اس لیے پٹھان اس جہانموسی (بے عزتی) پر بھید غصہ ہو گئے اور ترقی

صفحہ پر لکھتے ہیں :

"سید بذاتِ خود دلیر اور اچھے آدمی تھے اور عقیدہ بھی اُس کا کچھ بڑا نہ تھا، لیکن اس کی سادگی اور مولوی اسماعیل کی آزلوی اور غیر تعلیمی اور خود سری، ہمیشہ خلقِ اللہ کی خرابی اور بربادی کا سبب بنی مولوی اسماعیل دو پہلا آدمی تھا جس نے اپنے بزرگوں اور استادوں کے برخلاف دہلیت کی بنیاد رکھی اور سید سے کہا آپ مثل محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور میں (اسماعیل صاحب) مثل ابوبکر سید (رضی اللہ عنہ) ہوں اور تمام دنیا کے ان مسلمانوں کو جتنی کہتا تھا جو فتنہ پر عمل پیرا تھے، انہی جتنی لوگوں کو قتل کرنے کی غرض سے سید کو امام بنایا۔ ملار پر کفر کے فتوے لگاتے اور انہیں قتل کرتے مولانا عبدالعزیز

جوان کے استاد اور سید کے پریتھے، انہوں نے کبھی ایسے کام نہیں کیے تھے۔

میری دید و شنید،

آج رستہ نما سے چھپتی سال قبل کی بات ہے کہ میں پہلی بار اپنے کاؤں سے نکل کر اپنے تیار او بھائی کے ساتھ باغیچے میں مروان بارہا تھا جس میں اگلی سید پر دو عمر ترین بزرگ بیٹھے تھے تھے اسلامی حکومت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

اس زمانے میں افغانستان کی حکومت سے لوگوں نے امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔
جہت کا واقعہ تازہ تھا۔ ایک اسلامی حکومت کے حق میں تھا۔ دوسرے نے کہا، کونسی اسلامی حکومت اور شریعت؟ وہی جو ہندوستانی لائے تھے اور اپنے دور امانت میں جلا امانت ہمارے گھس میں گھس کر ہماری جوان بیٹیوں اور بیویوں سے زبردستی اپنے بالوں سے جوڑیں نکھڑاتے تھے اور ہم وچتر بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، (اسی شریعت سے انگریز کافر کی حکومت ہزار درجہ آجی ہے۔
یہ گفتگو میں نے اپنے کاؤں سے سنی ہے۔ اس وقت اگر یہ ہمیں یہ باتیں اچھی نہیں لگیں، تو بے ہو کر اپنے بزرگوں اور دوسرے معتمدین سے حالات معلوم کرنے پر اس کی صداقت پانچون آگیا۔
کاؤں پہنچ کر کے قریب واقع ہے اور وہی یہ ہے:

ہمارے بچپن کے زمانے میں اکثر صحابہ بن خزیروں کے لیے غنہ بنی کیا کرتے تھے، جن سے اپنی آنکھوں سے دو ہندوستانیوں کو دیکھا تھا جو اس نام پر مورتھے۔ لوگ انہیں نفرت و کشتا دیکھتے تھے اور آخر کار گیارہ کھیل دوڑی تھے کہ چھ فاصلے پر دیسے سند کے کنارے آباد تھے اور لب تہذیب و تہذیب کی وسعت سے تہذیب آگئے ہیں، میں لوگوں نے انہیں دیر میں پہنچا دیا۔ افسوس کہ میں ان کے نام سہول کیا۔

ملا وہ ان میں یہ بھی صدقہ ہے کہ یہ لوگ مائتہ المسلمین کے مال و متاع کو اپنے لیے ملال کھتے تھے، اس لیے نہایت ہی بڑبڑا کر لے جاتے تھے اور اپنے کام میں لاتے تھے، تاہم یہ کہ اس زمانہ میں او

اب بھی امر خدا اور افغانستان کے باشندے صوبہ کے سب پچھتے محضی المذنب اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے لیے قلعہ تیار نہ تھے۔ مخالفت بڑھتے بڑھتے تربت نیان کھنڈ پانی کو تھر غارتے کے لوگوں نے ہڑک کر کے فیصلہ کیا کہ کڑہ مارا نامی پہاڑ پر جب آگ روشن ہوتے دیکھی جائے تو وہاں نیان یہ لوگ موجود ہوں انہیں قتل کیا جائے۔ افسوس کہ ایسا ہی ہوا اور یہ مسافر اپنے وطن سے دور بڑے کسی پسی کی حالت میں مارے گئے، تہ تیغ کیے گئے کمزوروں میں ڈال دیئے گئے۔ کوئی انہیں امن دینے والا نہیں تھا۔ مسکرتوں کا زور نہ ٹوٹ سکا اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔

ان درونک واقعات کے بعد پھر اسی خادوی خان کے فرزند خان مقرب بن کی سرکردگی میں علاقے کے لوگوں نے بالائے اتفاق سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور چند ہی دنوں میں یوسف زیوں کا علاقہ پاک کر دیا۔ اس جہاد میں شریک چند ایک بزرگوں کے ساتھ مجھے ملاقات نصیب ہوئی ہے، جو فیسی اعداؤ کے عجیب و غریب قصے بیان کرتے تھے۔

ذکور بالا حوالہ جات اس لیے نقل کیے گئے کہ یہ بات اور بھی عیاں ہو جائے کہ مہتمم رام صاحب نے امتیاز حق میں جو راستہ اختیار کیا ہے وہ بالکل سیدھا سادہ اور مؤصل الی مطلوب ہے اور اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت اسماعیل صاحب اور حضرت سید احمد صاحب اور ان کے متبعین نے سکھوں سے کم اور مرحدی مسلمانوں کے ساتھ زیادہ جہاد کیا ہے اور اعتریزوں کے ساتھ زیادہ جہاد کرنے والا دونوں حضرات کی رائے میں کہیں ذکر تک نہیں دونوں سکھوں یا مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ان کے متنبہ میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بقول مدد منطقی اور فلسفی ہیں لیکن جرات ایمانی دیکھئے کہ کافر اعتریز کے تسلط کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور جس کا انجام بھی انہیں معلوم تھا کہ نہ ملے موت ہے یا مجبور دیرائے شوز کسی مسلمان کے خلاف یہ فتویٰ دیا۔ کسی کو قتل کیا یا نہ صرف مسلمانوں کی آغوش اور اسلامی حکومت کی بقا کے لیے اپنا مہا پناہ و منصب پناہ مال و منال قربان کیا جس کی سزا میں جہاد ائمہ مان بھیجے گئے اور ویش شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین

پروفیسر سید سبر احسن فاضل زیدی

گورنمنٹ کالج، سکرنڈ، ضلع نواب شاہ رسنہ

امتیاز حق امتیاز حق و باطل کا مقیاس ہے۔ راجا غلام محمد صاحب نے سعی طبع فرما کر یہ ایک سوٹ بنا دی ہے جس پر کھوٹے کمرے کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی جن کے ناموں کے ساتھ شبہ کا لفظ ایک تہمت ہے۔ ان کو ان کے صحیح مذہب و خیال میں پیش کیا گیا ہے اور یہ حقیقت ناقابل تردید شواہد کی روشنی میں پیش کی گئی ہے کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے پیرو سید احمد بریلوی انگریزوں کے ساتھ ویروداختہ تھے اور ان کا سکھوں سے جہاد ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھا۔ دراصل وہ سکھوں سے لڑائی انگریزوں کے اشاروں پر کر رہے تھے اور ان کا مقصد وحید سکھوں کی طاقت کو کمزور کرنا اور مسلمانوں کو کفر کے فتوے صادر کرنا تھا۔ انگریزوں کو سکھوں اور پٹھانوں ہی سے خطرہ تھا۔ دونوں کا استحصال وہ اس ترکیب سے کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی سکھوں سے اُچھٹے اور پٹھانوں پر تار و تار کو کفر کے فتوے لگاتے اور بالآخر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

راجا غلام محمد صاحب کی تحقیق ان حق سے یہ بات پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے کہ غلام رسول تہر (مرحوم) اور پروفیسر محمد ایوب قادری جیسے افاضل بھی کتمانِ حقیقت کرتے رہے ہیں۔ اور درست حوالوں کو نظر انداز کرتے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں فاضل بزرگ دہلوی مسلک کے پیرو ہیں۔ مولانا غلام رسول تہر تو مسلمہ دہلوی تھے اور ایوب قادری صاحب پر ان کے جہانی ابو معاویہ نعمت اللہ قادری صاحب کا گہرا اثر ہے اور وہ تردید مقام جماعت اہل سنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور کتمانِ حقیقت کرتے رہے ہیں

مجاہد میل مولانا فضل حق خیر آبادی ترویج عقائد و باہر میں بہت ہی پیش پیش تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مرزا غالب سے ایک فارسی مثنوی بھی دیا۔ یوں کی ترویج میں لکھنؤ ہی تھی۔ مولانا مزہوم کو دہلی مستنیں نے بالکل نظر انداز کر دیا اور ان کے مجاہدانہ کارناموں اور ۱۸۵۷ء کی مجاہد آزادی میں ان کی سعی و کوشش کو بیک جنبش قلم نظر انداز کر دیا اور ان کا نام مجاہدوں کی فہرست ہی سے خارج کر دیا۔ مولانا غلام رسول قمبر اور پروفیسر ایوب قادری صاحب نے بھی اس کا نامہ میں حصہ لیا ہے۔ راہب غلام محمد صاحب نے مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب پر تحقیق کا حق ادا کر دیا اور ان کی صحیح تصویر پیش کر دی ہے۔ یہ کارنامہ بھلائے جانے کے قابل نہیں ہے۔

حکیم محمد نصیر الدین ندوی

نظامی دواخانہ - شامراہ لیاقت، کراچی

چند ہی قبل مخدوم زادہ آفاق حضرت مولانا حکیم سید محمود میاں صاحب برکاتی نے مجھے ازراہ کرم آپ کی ایک تصنیف لطیف امتیاز حق عطا فرمائی۔ موضوع کتاب کی دل کشی نے مجھے کھیت اپنے افسانہ مذہب کر لیا اور میں کسی دل تک اس بحر لذت میں غرق رہا۔ کتاب کیا ہے، ادب و شعرو انشاء کا ایک دریائے مٹلاطم ہے۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے جو بات بھی نکلی ہے، وہ میزان عدل انصاف پر بالکل درست ہے۔ حریف معاند کی اور اس کے ہم مذہب و مسلک اصحاب کی جانب سے مسلسل یک صد سالہ دشنام طرازیوں، یاد و گوئیوں، کذب بیانیوں اور گوناگون دل آزاریوں کے باوجود کیا محال ہے کہ آپ کی زبان قلم سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا نکلا ہو جس میں ادنیٰ شانہ دل آزاری کا ہو۔ آپ نے حقائق کا انکشاف ناقابل انکار دلائل سے فرمایا ہے اور ایسے تاریخی شواہد فراہم کر دیے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ان حقائق سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا۔

اسماعیل دہلوی کا سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ وہ عبدالوہاب نجدی کی اتباع میں اپنے انگریز قارئین کی خوشنودی کے لیے اسکا ان نظیریہ کا قائل ہو گیا اور اپنے باطلہ و ناموس و نامت میں حضرت رب العزت کی عدم قدرت کے اثبات کے واسطے ہو گیا، حالانکہ حضرت رسالت خدا ابلی و اُمی کا نظیریہ متعنات میں ہے اور متعنات پر قدرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کلام پاک میں متعدد مقامات پر حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر رسالت ختم کر دی گئی ہے اس لیے بعصیرت کو اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ اسکا ان نظیریہ کا قائل ہونے کی صورت میں غلبہ و عید لازم آتا ہے غرض یہ ہے کہ اس ظالم کے اس اقدام سے باب نبوت و امویا اور اخیرین نے غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر کھڑا کر دیا اور مسلم قوم کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے۔ عبد البرطانیہ سے پہلے مدعیان نبوت کی سزا قتل تھی مگر غلام احمد قادیانی کو تو اخیرین کی نصرت و حمایت حاصل تھی، اس لیے یہ فتنہ آج تک مسلم قوم کے جسد ملی میں ناسور کی طرح موجود ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت علامہ فضیل حق خیر آبادی کی کتاب سے تطاب امتناع النظیر کا سہل و آسان ترجمہ کر کے ملک میں عام کر دیا جائے تاکہ دنیا میں ایسا فتنہ کبھی سر نہ اٹھائے۔ حضرت علامہ مرحوم نے اس کتاب میں ایسے عقلی و نقلی دلائل جمع کر دیئے ہیں کہ عالم میں کوئی غبی سے غبی انسان بھی اسکا ان نظیریہ قائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب دراصل علامہ مرحوم کی ذہانت و طباطبائی پر ایک روشن دلیل بھی ہے اور حضرت سرکار رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے علامہ مرحوم کی کمالی وابستگی و غایت عقیدت و شفیقتی کا جہت ثبوت بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں اسماعیل دہلوی کی گستاخیز پر علامہ مرحوم کے قلم میں انتہائی شدت و جھج بھی آگئی ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ مرحوم نے دراصل اپنے تیز رشید مولانا بدایت اللہ چمپوری کے نام سے ارقام فرمائی تھی۔ مولانا بدایت اللہ صاحب کی دیانت اس امر کی متقہ ہی نہیں ہوئی کہ وہ حضرت علامہ کی کتاب اپنی ذات سے منسوب کر میں اس لیے انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولانا سلیمان اشرف بہاری کے اصرار پر مصنف کا اصل مسودہ ہی مولانا سلیمان اشرف کے حوالے کر دیا۔ یہ جملہ باتیں مجھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم ہی سے معلوم ہوئی ہیں۔

آپ کے دماغ میں ذخیرہ اشعار بھی معیاری ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں مروج و مقبول عام اشعار بھی بہت ہی کم استعمال کیے ہیں۔ ڈبشلی سے مستعار لیے ہیں نہ مولانا ابوالکلام آزاد سے، بلکہ خود ہی اساتذہ قدیم کی بیانیوں سے منتخب فرمائے ہیں۔ پس یہ جو شعر بھی آپ کی زبانِ قلم سے نکلا ہے، بے اختیار نکلا ہے۔ مولانا آزاد کی طرح طویل تمہید کے بعد نہیں نکلا ہے۔ — ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

پروفیسر سید نور شید حسین بخاری

گرینسٹ وروڈ، ایک کالج، نئی دہلی، صاحبِ رشتہ شریف، نورپور،

ترجمہ ایک دہائی میں سوا اعلیٰ علم کے ستائیت کا پتہ چمکا اور مجد اللہ تعالیٰ اب تک بلند کرتے رہے ہیں۔ اس جذبہ کے علم، بے دین نہیں، اسلام کے انہوں نے جو اہل کفر کو توہم کے دلوں میں بکس کر کے کی بے پایاں کوشش کی اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد میں کامیاب بھی رہے۔ یہودیہ، زمرہ انہوں نے اپنے عقائد کو کبھی نہیں چھلایا اور سرطرح سے سعی و کوشش کر کے اسلام بالحدوم کے ساتھ دین حق کی شہادت کی پانچ پندرہ سو اگر ترجمہ ہیں اسلام اپنے اصلی خدا تعالیٰ کے ساتھ موجود ہے، تو بالمشابہ انہی بزرگانِ دین کا عقد ہے۔ ہمیں من مہیت انعم ان حضرات کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ان بزرگانِ دین نے مصلوں میں محبت و امن کو، کوٹ کر بھر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۵۰ء میں بعض بد مذہب افراد نے مسلمان حکومت ختم کرنے اور کپنی بیاد کی حکومت قائم کرانے کے لیے پرتغیہ میں فتنہ و فساد کی آگ بجھکا دی تو اس موقع پر ان حضرات کا مقابلہ کرنے کے لیے جو علماء و روحانیوں اور فساد سر پرکشیوں باغیہ کو میدان میں آئے، ان میں شہید عزت علی قاسم فاضل حق قیاد، دی

پیش پیش تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس شیر نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس وقت مسلم حکومت ختم ہو گئی اور برصغیر میں انگریز قہم بھانے میں کامیاب ہو گئے تو انگریز مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو ختم کر کے دم لیں گے اور ہندوؤں کا ساتھ دل و جان سے دیں گے، چنانچہ، مسیح کو گواہ کر کے ان کے یہ عقائد بالکل درست ثابت ہوئے۔

علم و فضل اور بصیرت کے لحاظ سے اس دور کا کوئی عالم علامہ فضل حق خیر آبادی کا ثانی نہ تھا۔ آپ کا مددہ اپنے زمانے کا بے مثل مددہ تھا۔ جہاں مزاروں کی تعداد میں طلبہ تحصیل علم میں مصروف رہتے اور ان کے تمام اخراجات علامہ فضل حق خیر آبادی خود برداشت کرتے تھے۔

جب جنگ آزادی شروع ہوئی تو حضرت موصوف نے اپنی فراموش مومنانہ سے حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جاری کیا اور مقدمہ چلنے پر انگریز کی عدالت میں اس کا بڑی جرأت کے ساتھ اقرار بھی کیا، حالانکہ گواہوں نے عدالت میں آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا کہ شاید اس طرح آپ مزار سے بچ جائیں، لیکن آپ کی غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ غلط بیانی کر کے قید فرنگ سے رہائی حاصل کر لیں۔

ایک طرف تو اہل حق کی یکسویت تھی کہ دو ناموس ملک و ملت پر کٹ مرنے کے لیے تیار تھے اور اپنے راستے میں آنے والی کسی مشکل سے بھی ناکٹ نہیں تھے، لیکن دوسری طرف اہل غرض تھے جو قویٰ فروختند و چارواں فروختند کی دزدخشہ و مثال بن کر انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے، اور ان کے ایماء پر مجاہدین جنگ آزادی کی توجہ اپنے اصل مقصد سے ہٹانے میں مصروف تھے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ موصوفیہ قسم کے لوگوں کے سیاہ کا ناموں کا یا تو بیان نہ کیا جاسے اور اگر تاریخی نقطہ نظر سے ان کا بیان کرنا ضروری ہی تھا تو تاریخی غیر جانب داری سے بیان کیا جاتا، تاکہ حقائق تاریخ کے سامنے آجائے اور وہ جان لیتے کہ جنگ آزادی میں کن لوگوں نے کیا کردار انجام دیا ہے۔ ہماری قسمی ہے کہ جن مردانِ عرب نے ۱۸۵۷ء میں انگریز حکومت کے خلاف سر دھڑکی بانی لگادی انہیں تو وطن فروش ملک کہا گیا، لیکن جنہوں نے انگریز کی سرکھ حملت کی ان پر داد و تحسین

ڈونگڑے ہی نہیں برمائے گئے، بلکہ انہیں قومی میروں کا کریش کیا گیا اور اس طرح تاریخی حقائق منہ کیے گئے اور صحیح معنوں میں ملک و ملت کے لیے کام کرنے والوں کو گوشہ گنہامی میں دیکھ لیا گیا، ہمارے بعض مؤرخین نے ایسا کرنے سے عمل عمل کر دیا انجام دیا ہے اور اسمیل دہلوی اور سید احمد بریلوی ایسے لوگوں کو نابغہ روزگار ہستی اور قومی ہیرو کے طور پر اپنی تحریروں کے ذریعے متعارف کرایا ہے، حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں اور اگر حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے اور بنیادی مائنڈنگ سمائی مسائل کو لے کر معلومات بہم پہنچائی جائیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان صاحبان نے اپنوں کے بجائے اختیار کا دم بھرا قوم میں بد دلی اور مایوسی پیدا کی۔ انگریزوں کو برصغیر میں قدم جانے میں مدد دی اور صوبہ سرحد میں بھی مسلمانوں کے خلاف ہی برسر پیکار رہے اور آخر اپنی فطرت کی وجہ سے اپنے قتل انجام کو پہنچے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اہل علم اور خصوصاً محققین کو تحقیقی صحیح کے ذریعے دکھایا جائے کہ اسمیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کو برسر پیکار والے قندبر و غفلت ہیں اور وہ کس طرح عوام الناس کو بھی نہیں، بلکہ پڑھے لکھے طبقے کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں الحمد للہ کہ راجا غلام محمد صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اسمیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی ویسے کاریوں اور فتنہ پردازوں کا پردہ چاک کر دیا۔ راجا صاحب نے حقائق مستند توالوں اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ اسمیل دہلوی اور سید احمد بریلوی نے کس طرح انگریزوں کی امداد و اعانت کی۔ فاضل مولف کی تحریر میں جاذوبیت ہے اور بیان میں ملاوت ہے۔ انہوں نے لغزشوں کو جس انداز سے ترتیب دیا ہے اور اسے نبھایا ہے، وہ انہی کا جعہ ہے۔ ہندوایت سے محرا اور دلائل سے آراستہ ان کی تحریر میں ایک دل آویزی پائی جاتی ہے اور یہی دل آویزی قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لیے جاتی ہے تا آنکہ قاری کتاب ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔ تحریر کی یہ خوبی بہت بڑی ہے کہ کتاب ختم کر لینے کے بعد قاری ————— وہ عام قاری ہو یا محقق ————— مشت کاہم فرما جو بات ہے اور اس کے سامنے ۱۸۵ء کی جنگ آزادی میں حضرت مولانا فضل حق نے آزادی کے

کردار کے ساتھ ساتھ انجیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی اصل تصویر بھی سامنے آجاتی ہے۔
میں نے کتاب کا بالاسریعہ مطالعہ کیا ہے۔ کتاب پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ راہِ صاحب کے
دلائل اس قدر قوی اور متنازعہ خداس قدر مستند ہیں کہ ان سے انکار تو کیا، اختلاف کرنا بھی ناممکن ہے،
اور ایک اچھے مشنف اور محقق کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ تحقیق کے دوران متنازعہ مسائل میں
اعتدال کا راستہ اختیار کرے، بلا استناد کوئی بات نہ کہے اور محسوس دلائل سے قاری کو اپنا
ہم فواہ بنائے۔

پروفیسر ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی

سپر سائنس کالج - کراچی

اس کتاب کے مطالعے سے جن نتائج کا از سر نو علم ہوا وہ میرے لیے انتہائی تعجب انگیز
نمايت ہوئے۔ یقیناً ذرائع ابلاغ پر قبضے کے سبب جو تاریخی غلطیاں ہوئی ہیں، ان کی اصلاح ضروری
ہے۔ آپ کی کتاب میں تاریخِ تناویلیاں کے متعلق جو واقعہ صفحہ ۱۲۴ (اب صفحہ ۳۳) پر درج کیا
گیا ہے۔ مجھے بھی کچھ ایسی قسم کا تلخ تجربہ مرحوم مولانا غلام رسول تہرے بلا اور ملی دادی کام کرنے والوں
میں جس تنگ دلی کا مظاہرہ دیکھا گیا اس سے مجھے ذاتی طور پر بے مددکھ ہوا تھا اور یہ دیکھنا آج
تک ہے۔ چونکہ میں خود اس تجربے سے گزر چکا ہوں، اس لیے تاریخِ تناویلیاں کے سلسلے میں ان کا
ردِ عمل یقیناً ایسا ہی ہوگا جس کا ذکر آپ کی کتاب میں آیا ہے۔ جب صاحبِ علم اس طرح لوگوں کو
طرح دے دیں تو پھر کس کی شکایت کی جاسکتی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر پوری طرح مادی ہے اور اس جنگِ زرگری سے جو نقصان
مسلمانوں اور جو فائدہ برٹش گورنمنٹ کو پہنچے، اس کی تفصیل در ذمہ بھی ہے۔ اسلام کی سب سے

بڑی مصیبت تو یہی ہے کہ ایک فرقہ اپنے نظریات پیش نہیں کرتا، بلکہ دوسرے پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیتا ہے۔ معلوم نہیں کہ خود اس کے دین کے ساتھ اس کے اعمال کی ضمانت اس کو کس زندگی میں کہیں براہ راست تو نہیں مل گئی ہے۔

ایک گزارش آپ سے یہ ہے کہ بعض جگہ زبان کو اور متین بنانے کی ضرورت ہے۔ کہیں کہیں بچے میں درستی اور کثرت بھی ہے۔ یہ مناظرے کی کتاب نہیں، بلکہ تاریخ کی اہم کتاب ہے اور تاریخ کی کتاب میں طنز و طعن میں کمی کی ضرورت ہے۔ بہر حال میں آپ کے اس تحفے کے لیے ازمدہ شکر گزار ہوں۔

پروفیسر حافظ مسعود علی

گورنمنٹ ممتاز کالج، خیرپور میرس (سندھ)

زندہ قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش نہیں کرتیں۔ وہ ان کے شاندار نامی کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے جلال کی راہ گزر کو روشن رکھتی ہیں۔ ان کے یہ کارنامے نئی نسل کو عزم و استقلال اور جرأت و بہمت کا سبق دے کر ان کے قول و عمل میں خصوصاً ارادوں میں استقامت، کردار میں ہمدی اور نقطہ نظر میں آفاقیت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے پیغام کی ہمہ گیری نسلوں کے پردے پاک ہوتے ہیں اور نئی نسل کو حیات نو حاصل ہوتی ہے۔

جو ہو سکے نوکر و چاک دامنِ ظلمت

ستارہ بن کے چمکنے سے کچھ نہیں ہوتا

یہ کس قدر غریبی ہے کہ ہمارے بعض مؤرخین نے سوادِ ظلم کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور مذہبِ آزاد دی میں ان کی گراں قدر خدمات کو عکسِ نظر انداز کر کے ایک غیر محققانہ اور جانبدارانہ نقطہ نظر پیش

کر کے تاریخی حقائق کو سچ اور ملی روایات کو مجروح کیا ہے۔ یہ احسان فراموشی اور تاریخی بددیانتی کی
الٹانک داستان ہے۔ مناسبت کے لحاظ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے باطل نظریات، خود ساختہ
تصورات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ ان کی یہ کوشش لائق
تحسین اور قابل قدر ہے۔

راجا صاحب کی تحریر میں سادگی کے ساتھ جاذبیت کا ٹس بھی کارفرما نظر آتا ہے۔
موصوف نے علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار سے قاری کو متعارف
کراتے ہوئے اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ کسی مقام پر بھی معقولیت پسندی
پر حقیقت غالب ہوتی نظر نہیں آتی۔ طرز استدلال فلسفیانہ، جذبہ ماسشقانہ اور نقطہ نظر معتدلتانہ
ہے۔ بیچے کی بے ساختگی، خلوص کی فراوانی، بیان کا تسلسل، واقعات کی صداقت، تلاش حق کی جستجو،
موضوع اور موقع کی مناسبت سے اشعار کے بر عمل استعمال نے کتاب کے ممنوی حسن اور انصافیت
میں اضافہ کیا ہے۔ موصوف نے محققین اہل علم اور دانشوروں کے مستند حوالے اور ان کی تحریروں
سے اقتباسات پیش کر کے دلائل کے دو انبار لگا دیئے ہیں کہ قاری کے لیے اعتراف حق سے
گریز ناممکن ہے۔ نئی نسل جو اپنے ماضی کو صرف قفسہ ماضی ہی سمجھتی ہے، اس کے اندر محبت اور
معتقد کے جذبات بیدار کر کے اپنے اسلاف کے نقوش پاکو نشان منزل بتانے کی بے پناہ
تڑپ پیدا کر دی ہے اور انہیں یہ یقین دلایا ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر کجھ دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

مختصر یہ کہ امتیاز حق کے مطالعے سے جہل کی ساری کثافت واصل باقی ہے۔ حق پرستی
کا چہرہ بالکل ٹھیک کر سامنے آ جاتا ہے اور ذہن میں علم و آگہی کے قلعے روشن ہو جاتے ہیں۔ علامہ
فضل حق خیر آبادی کی مجاہدانہ زندگی کے بے شمار گوشے بے نقاب ہوتے ہیں اور یہ مرقع پرست
ہمارے سامنے حق کی خاطر مائے مجھ سے بھڑ جانے والا مجاہد عارفانہ اور مومن۔ نقطہ نظر

رکھنے والا مسلمان استقامت کا پہلا، حق پرستی کا بے مثال آئینہ، ایشان قرآنی کا مجسمہ اور علم و عمل کی صداقت کا ایک بھرپور گواہ نظر آتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ رابا صاحب نے اس مرد حق کی ذات مجموعہ صفات سے ہمیں روشناس کرائے کا حق ادا کر دیا ہے۔

سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی کو علوم و فنون میں جواہر آبادی مقام حاصل تھا، وہ اظہار من الشمس ہے۔ مئی لغین کو بھی علامہ کی علمی عظمت اور فنون پر دستگاہ کا پورا اعتراف ہے۔

علامہ کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرا۔ اس کو زندگی کا دور اول کہنا مناسب ہے۔ اس دور میں آپ نے حاشیہ قاضی جیسی نادرۃ روزگار کتاب لکھی جس کو معقولات کا فتاویٰ کہا جاتا ہے۔ بحث و مدۃ الوجود میں التوضیح المجوزۃ تصنیف فرمائی، جس میں عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ تمہید الکلام کی شرح لکھی جو اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن علامہ عبدالحق خیر آبادی کی وفات کے بعد اس کا نسخہ ضائع ہو گیا۔

مولانا فیض الحسن بہار پوری، مولانا نور الحسن کاندھلوی، مولانا ہدایت اللہ خاں چمنپوری، مولانا عبدالحق خیر آبادی جیسے فخر روزگار تلامذہ پیدا کیے جنہوں نے اپنی تدریسی اور علمی شہرت سے ہندوستان کی مختلف درس گاہوں کے فضلاء کو اپنے مقلد تلامذہ میں داخل کر لیا۔

اس دور میں علامہ نے قلمی جہاد بھی کیا۔ مسئلہ امکان کذب اور امکان نظیر کے بطلان پر قلم اٹھایا اور دلائل قاضی سے ان کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی رحمۃ اللہ علیہ، خاتم النبیین اور شفیع المدینین ہے، جس پر سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا اتفاق ہے اور ان کے نزدیک

آپ کی تعظیم و تحکیم عین ایمان ہے۔ بالفاظِ دیگر ”بعد از خدا بزرگ توئی قسۃ مختصہ پر اکابر امت کا اجماع و ایتقان ہے۔ مسئلہ امکانِ نظیر سے اس لازوال عقیدہ پر ضرب پڑتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاصیت معاذ اللہ محروح ہوتی تھی، اس لیے جذبہٴ عشقِ نبوی نے علامہ کو بے قرار کر دیا۔ علامہ حسبِ نبوی میں ایسے سرشار تھے کہ تمام زندگی اپنے قصائد میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کرتے رہے۔ وہ اپنی دنیوی اور اخروی تمناؤں اور امیدوں کا مرکز ذاتِ رسالت کو سمجھتے تھے، ایسے عقیدہ کو کیسے برداشت فرماتے جس سے شانِ رسالت پر حرف آتا تھا۔

سال ہی میں مقتبہٴ ذریعہ لاہور نے ایک کتاب ”امتیاز حق“ شائع کی ہے جس کو علامہ فضل حق کی عبودیت پر زادی کی محققانہ تاریخ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ مصنف نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے سلسلہ میں اس موضوع پر بیٹے تا سچائی ماخذ و مصادر تحققی سے استفادہ کیا ہے۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب و رسائل اور دستاویزوں کے عمیق مطالعہ کے بعد یہ کتاب مدوں کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت نے عبودیت پر زادی کی تاریخ کو ایک نیا مژدہ دیا ہے اور اس کے وجود پذیر ہونے سے بہت سے حقائق جن پر پردہ پڑا ہوا تھا سامنے آ گئے۔ مصنف کتاب کی نعمت اور عرقِ ریزی سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔ اب بابِ علم اور اصحابِ تحقیق کی جانب سے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ اہل دانش و سنجیدگی سے اس تحقیق پر غور کریں گے، لیکن ابھی ایک بحث تشنہٴ تحقیق ہے وہ یہ کہ علامہ نے جہاد کا جو فتویٰ تحریر فرمایا تھا اور جس پر دوسرے علماء سے دستخط حاصل کیے تھے اور جو اس تلامِ ہنگامہ کی بنیاد تھا وہ کہاں ہے؟ جن ماخذ کا حوالہ فتویٰ کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اس میں صرف فتویٰ کا مفہوم درج ہے، لیکن خود فتویٰ کی کیا عبارت تھی اور کن دلائل سے اسے مزین کیا گیا تھا؟ اس کا کوئی نشان نہیں ملتا، اگر اصل فتویٰ نہ مل سکے، تو اس کی مستند نقل ہی سے حاجت برآی جاسکتی ہے۔ اگر وہ فتویٰ سامنے آجائے، تو مئی القین کے قلعے خود بخود ہمسار ہو جائیں گے۔ امید ہے کہ مصنف کتاب اس مسئلہ کی تحقیق میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف فرمادیں گے۔

حکیم مسعود احمد برکاتی

ہمدرد اکیڈمی، ناعظم آباد کراچی ۱۸

راجا غلام محمد صاحب کی کتاب امتیاز حق اگر مختصر ہے، لیکن اس میں انہوں نے جو مواد جمع کیا ہے، وہ تفصیلی کتابوں پر بھاری ہے۔ راجا صاحب نے مجاہد جرنیل، جامع کمالات حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے تبحر علمی اور سر فردوسی و جاں سپدی پر جن لوگوں نے ناروا غلطے کیے ہیں یا ان کو اپنے معاصرین سے گرا نہ پایا ہے، ان کی تردید و تنقید کی ہے۔ انذار بیان اگرچہ پُر ہوش ہے، لیکن ان کی باتوں کی پشت پر اہل علم اور مؤمنین و محققین کے توالوں کی گواہی بھی ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ علماء و اہل قلم کی تحریروں سے آراستہ ہے۔ راجا صاحب نے جو بات کہی ہے، وہ انہی کی زبان و قلم سے کہی ہے۔ امتیاز حق کا ایک امتیاز اس کی دلچسپی بھی ہے۔ کتاب کے نام اور موضوع کے لحاظ سے خیال ہوتا ہے کہ نشک تحقیقی کتابوں کی طرح اس کتاب کا مطالعہ بھی فرض اور ناگزیر ضرورت سمجھ کر ہی کیا جاسکے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کا شگفتہ انداز قاری کو اپنے ساتھ خود لے جاتا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی ان مظلوم مسنیہ ملت میں ہیں جن کی بدولت آج ہم آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، لیکن جن کی عظمت کو پہچاننے سے ہم محروم ہیں، بلکہ بعض تاریخ سازوں نے تو اس بانی مجدد آزادی کے روشن کردار کو سرخ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اگرچہ ان کی یہ احسان فرموشی تاریخ کے سُر زیا کی چمک کو کم نہ کر سکے گی۔ ضرورت ہے کہ مجدد آزادی کے اس تابناک اور اہم ترین باب کو جس کا عنوان فضل حق خیر آبادی ہے، پوری تفصیل و جامعیت، مستند تحقیق اور قدر و اہمیت کے ساتھ مدون کیا جائے۔ راجا غلام محمد صاحب جیسے پُر خلوص، اہل قلم یہ کام کر سکتے ہیں۔

پروفیسر عبدالرشید فاروقی

گورنمنٹ کالج ساہیوال

تصنیف و تالیف کے میدان میں چند افراد نے اسلامِ اہل سنت کے ساتھ ہمیشہ متعلیٰ ہاں کا سا سلوک کیا۔ فرضی داستانوں پر مشتمل نام نہاد تاریخی واقعات کے ایسے محلات تعمیر کیے گئے جنہوں نے فوجِ ان نسل کی آنکھیں چندھیا دیں۔ حقائق کی پردہ پوشی کا یہ عجیب و غریب ڈرامہ کافی عرصہ تک کھیلنا مارا رہا۔ ساتھ ہی مجھے زیرِ لب یہ کہنے کی بھی اجازت دیجئے کہ احبابِ اہل سنت نے بھی اس معاملے میں کافی بے اعتنائی برتی اور ضرورت سے زیادہ بے فکری کا ثبوت دیا۔ قلم کی ان بے رحمیوں کا شکار ہونے والی شخصیات میں سے ایک علامہ فضل حق خیر آبادی بھی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں مصنف نے یقیناً عرق ریزی سے حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کی دینی و ملی خدمات پر پردہ پوشی اور ان کی سیاسی خدمات کو نظرِ دُور سے ادھیل کر دینے کی تمام کوششوں کا محرک دراصل خود علامہ فضل حق کا وہ لغوِ رائے تھا جو انہوں نے مصلحتِ مبنی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے لگا یا جو اسماعیل و ملوی سمیت ان تمام افراد کے خلاف تھا جو بعض اٹھریزوں کی خوشنودی اور اپنے سرکاری وظائف میں بتدریج اضافے کے پیشِ نظر قرآن و سنت کے واضح احکام کو مسخ کرنے کا مذموم پیشہ اپنائے ہوئے تھے۔

اس جرم کی ملی بے سزا تیرے شہر ہیں

کیوں شب کو شب ہی کہتا رہا تیرے شہر ہیں

فاضلِ مصنف نے متعدد دواوول کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَفَعَتْ بِهِ
الْأَعْدَاءُ کے مصداق علامہ فضل حق کا فتویٰ بہادِ اعزیزِ علامتوں میں اپنے اور لگائے گئے الزامات

کا دلیرانہ اعتراف نہ صرف دہلی بلکہ گھنٹوں میں بھی مسلمانوں کی قیادت و راہنمائی کا راستے نمایاں کی جیست ہے علامہ فضل حق کی زندگی کے روشن ابواب میں جن کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا ہے اور جن کے ذکر کے بغیر تاریخ کی ہر کتاب ادھوری معلوم ہوتی ہے۔

جناب راجا غلام محمد صاحب نے علامہ کی سیاسی، ملی اور دینی امتقامت کا جو ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، اس کے بعد یقیناً ہر قاری علامہ فضل حق کی سوانح حیات کے متعلق بھی مزید کچھ جاننا چاہتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ کتاب کے چند اوراق اس کے لیے بھی مخصوص کر دیے جاتے۔

تقابل جائزے میں مصنف نے سینکڑوں حوالہ جات، ٹکس و اقتعات اور ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں سنیسٹ دہلوی کی جو تصویر کشی کی ہے، اس سے حقیقت حال قارئین کرام کے سامنے آجاتی ہے۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے فروغ کی خاطر لے کر جہاد کا جو فرضی ڈرامہ سنیسٹ دہلوی اور ان کے رفقاء نے کھیلا، اس سے جو سیاسی مقاصد حاصل کیے۔ پھر اس عیار کی کو دینداری اور شرافت کا لبادہ پہنا کر جس وسیع تر منصوبہ بندی کے تحت فروغ دیا گیا وہ اہمیت مسلمہ کے ساتھ بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔ حیرت ان لوگوں پر ہے جو غریب اور دغا بازی کے اس پلندے کو بلا تحقیق گرتے اور رانا تانے سمجھ کر پڑھتے رہے۔ مگر مری راجا غلام محمد صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے زیر تبصرہ کتاب لکھ کر ایک دینی و ملی فریضہ ادا کیا ہے اور احباب اہل سنت کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ اس طرح کی گریباں شریف کو بے نقاب کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

مہارخوف ہو لیکن زبانِ مہرول کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قندروں کا طرقي

کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے سرحد میں سنیسٹ دہلوی کی جو گنگواری اور ان کی جاذباتِ ملت بیان کی ہے، اس کے بعد ہم ان نام نہاد دینداروں کی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں:

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرافتیں مہرول

پروفیسر ڈاکٹر محبت الحق اعظمی

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (جمہارت)

امتیاز حق کے مطالعہ سے ہر عام قاری کے ذہن میں بھی یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ محض اختلاف مسلک کی بنیاد پر مقام فضیل حق غیر آزادی کے نظریہ کا ناموں کو پس پشت ڈال دیا گیا اور سید احمد رائے بریلوی و شاہ اسماعیل دہلوی کے ۱۹۴۷ء سے قبل تک انگریز دوست ہونے پر فخر کیا گیا اور پھر اس کے بعد انگریز دشمن ثابت کرنے کیلئے مسلسل جھوٹ بولا گیا۔

لیکن جو سچی کتابیں اوسر چند برسوں میں طبع ہوئی ہیں۔ انہوں نے نام نہاد مؤرخین کی ساری قلعی کھول کر رکھ دی ہے اور اب حقائق کا صحیح رخ عوام و خواص کے سامنے ٹہری ہوئی ہے کہ اتنے پیش کیا مبارک ہے۔ ان کتابوں میں امتیاز حق کو نمایاں مقام حاصل ہے اور رامباغلام محمد صاحب واقعی طور پر ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

پروفیسر مسٹر قصوری

گورنمنٹ کالج، باغبان پورہ۔ لاہور

میری نظر میں امتیاز حق نہ صرف پُر مغز اور جامع کتاب ہے بلکہ یہ دورِ جدید کے تمام تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ قاری اسے پڑھتے وقت کسی قسم کی کتابتِ محسوس نہیں کرتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے مطالعے سے اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ ایک خالص مذہبی یا خالص تاریخی موضوع

کی کتاب ہے۔ اس کتاب کا مطلوب نہایت شستہ اور پھر اسوہ ہے۔ اس کی عبارتوں میں تسلسل اور عادت بدرجہ اتم موجود ہے۔

اس کتاب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں امام اہل سنت علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور عامۃ الناس کو ہر دو شخصیتوں کے بارے میں صحیح اور ٹھوس معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر اس سے زیادہ اچھی کتاب آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ میرے خیال میں یہ ایک خوبصورت دستاویز ہے۔

امتیاز حق کے مولف راجا غلام محمد نے یہ کتاب نظر عام پر لا کر نہ صرف ملی خدمات کا فریضہ انجام دیا ہے، بلکہ بہت اخلاقی جرات کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں ان کی اس بہت کی داد دیتا ہوں۔ ان کا یہ کام اہل سنت کے قلمی جہاد کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ان کے اس عمل سے نہ صرف ہمیں ہمارے اسلاف کی ذریعہ تاریخ کے گم شدہ اوراق کا پتہ چلا ہے، بلکہ غرور و لحاد اور نام نہان مسلمانوں کی فتنہ پردازیوں کے خلاف کمر بستہ اور صفا آرا رہنے کا درس ملا ہے۔ "امتیاز حق" حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کی حیثیت رکھتی ہے۔

پروفیسر فیاض کاوش

ملک و ملت کی حریت و آزادی کے بطل بلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علم و ادب اور مہربان سیاست کے مہر نیم وزہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن ہونے کی حیثیت سے اپنے پورے عہد پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ علم و ادب کا ایک ایسا ادارہ تھے جس کا فیض حرفان و ادیبی بعد مرگ بھی جاری و ساری رہا۔ اسی کے فانوسِ علم سے سرسید اپنی تحریک اصلاح ادب کا چراغ جلاتے ہیں اور اسی کے نقد و

نظر کے مناد فور سے رہنمائی حاصل کر کے غالب غالب نظر آتے ہیں۔ ادوات عبد اس کے خوشہ چین ہیں اور ملے وقت اس کے ماشیہ نشین امومن خان مومن اپنے توبہ کے باوجود اس کے بچہ میں آنسو بہاتے ہیں۔

مزدھانپ ڈھانپ روتے ہیں کس تکبھی سے ہم بادشاہ بہادر شاہ ظفر اس کی پیشوائی پر فخر فرماتے تھے اور ملے ہندوستان اس کے درک گدا کی پر اتراتے تھے۔ اسی ذات والا صفات کا ذکر خیر اس صحیفہ محبت میں ہے۔ مزید یہ کہ اب تک مومن کے حق میں جو نا انصافیاں ہوتی رہی ہیں اس کتاب میں ان سب کا تجزیہ کر کے مودود کا مودود اور پانی کا پانی کر دیا گیا ہے۔

تاریخ کا یہ بیت دل کا پہلو ہے کہ حریت کے اس جانا بارسا ہی نے اپنے خون کی سرخی سے ملکی آزادی کے محسن نام پر دستخط کیے تھے۔ ابھی اس کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس محسن ملک ملت کے کارہائے نمایاں کو فراموش کیا جانے لگا۔ اس کی علمی کاوشوں پر پردے ڈالے گئے۔ اس کے علمی کا نام و نامور

خاک اڑانی گئی۔ دشمنان ملک و ملت کو اس کے مقابلے میں میر و بنا کر پیش کیا گیا اور یہ جھوٹ اس قدر تواتر سے بولا گیا کہ جھوٹ بھی سچ نظر آنے لگا۔ اس طرح تاریخ کے دھارے کو اس کے خلاف ٹوڑ دیا گیا محض اختلاف عقائد کے سبب!۔ کیونکہ وہ عاشق رسول دشمن شامان رسول تھا۔ بہر حال جھلکا ہوا فاضل حرکت

راجا غلام محمد صاحب کا جنہوں نے صدیوں کا قرض آوارہ اور بدیانت مومنوں کو ملت کی عدالت کے کمرے میں لگا کر فاضل مولف میدان تنقید کے شہسوار اور محقق کے شاد و معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے جانفزا دار کرتے ہیں کہ دشمن بھی زخم کھاکر مسکرائے، انداز نگارش ایسا دلنشین ہے کہ زہر بھی تریاق بن جائے۔ اشماد ایسے

ترنم خیز کہ روح و بدن آجائے۔ ایک ایک فقر و ایسا دل افروز کہ بڑی بڑی ضخیم کتب پر جاری الاریب برسرِ لفظ پر دل جموع جاتا ہے، لکھنے والے کا قلم چمکنے کو جی چاہتا ہے۔ زبان کی شیرازی و بیان کی دلنشینی اپنا جواب خود آپ!۔ اشماد ایسے جواب کہ لاکھوں میں انتخاب!۔ ان کا استعمال ایسا برکتی کہ گویا

وہ موزوں ہی اسی موقع کے لیے ہوئے تھے۔

اگر ہمارے تمام متنازع مسائل کو ایسا دلکش انداز بیان مل جائے تو یقیناً ہمارے اکابر کے کارناموں پر صدیوں کی غلط بیانی کا چرچا ہوا اخبار چھپٹ جائے اور ان کی شخصیت کا سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہوا نظر آئے۔

محمد عبدالشاہ شروانی

امتیاز حق را با صاحب کے تضح و تملاش کا شاہکار ہے۔ تاریخ تنا و لیاں نے یہ مسئلہ پہلے ہی صاف کر دیا تھا۔ امتیاز حق نے یہ پہلو بھی صاف کر دیا کہ وہ انگریزوں کے مخالف نہیں بلکہ موافق و حامی تھے۔ بشر کے دست راست گوئلڈ کا قول تھا کہ جھوٹ اتنی بار بولو کہ سچ معلوم ہو

جناب نادام عصری

ماہنامہ مہر و ماہ لاہور

زیر نظر کتاب امتیاز حق چودہ ابواب پر مشتمل ہے جس میں پیکرِ حریت سن ستاون کی جنگ آزادی کے عظیم مجاہد مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم و مغفور کے قابل تقلید کاروائیوں کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا کی سیرت و کردار کے بارے میں خونِ بکر سے تحریر کردہ مبنی برحق ہر بصیرت و فہم فقرہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ کتاب کا مختصر پیش لفظ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جسے ایک مستند تاریخی دستاویز کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔ فضل مؤلف نے مذکورہ کتاب میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ نہایت احسن طریقے سے پیش کیا ہے اور اس ضمن میں دینی مسائل کو موضوع بحث نہیں بنایا۔ جو لوگ مولانا فضل حق خیر آبادی سے دینی اور سیاسی اختلاف رکھتے تھے، مؤلف نے بڑی عرق ریزی سے ان مخالفین کی

لے ملنے کا پتا لکھتے ہوئے یہ مباحثہ میرضیہ لوباری منڈی، لاہور

کتابوں کے اقتباسات امتیاز حق کے صفوں پر پھیلا دیئے، جن کو باشعور قاری کے علاوہ دورِ جدید کا کوئی بڑے سے بڑا مورخ بھی جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سن متاون کی جنگ آزادی کے بیرونِ جنرل بخت خاں سے مل کر مولانا نے سفید قام قوم کے سیاہ دل انگیز باشندوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس جرم کی پاداش میں کالے پانی کی سزا کے مستحق قرار پائے اور جزیرہ اندیمان میں اس پیکرِ حریت جید عالمِ دین نے نہایت کسمپرسی کی حالت میں داعیِ اہل کولینک کہی۔ زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ آج بھی مخالفین کا ایک طبقہ جنگ آزادی کے اس مجاہد کو اچھے القاب سے مخاطب نہیں کرتا اور ان لوگوں کی شان میں تعریفوں کا پُل باندھ رہا ہے، جن کا مولانا خیر آبادی کی ذات سے موازنہ کرنا مورخ کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اس شرمناک کیفیت کو حریت پسند حق پرست انسان مولانا کی روح کے لیے تکلیف کا باعث سمجھتے ہیں اور یقیناً پس مرگ اس عظیم مجاہد کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھرکتے ہوں گے۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

پچودھویں اور آخری باب میں فاضل مؤلف نے ٹھوس دلائل اور تاریخی کتب کے حوالہ جات سے مولانا افضل حق اور اسماعیل دہلوی و سید احمد بریلوی کے کردار کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کے بعد ان الفاظ پر اپنی کتاب امتیاز حق کا اختتام کیا ہے۔

”ان واقعات کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برصغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کس نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ آزادی کی لگن کس کے دل و دماغ میں بھٹی؟ اور کس کا جہادِ اراک انگیز حکام نے خرید لیا تھا۔“

برصغیر کے مسلم مجاہدین کے بارے میں لکھی گئی ۱۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مستند تاریخی کتابوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور یہ ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دینے پر امتیاز حق کے فاضل مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(ماہنامہ مہر و ماہ لاہور - اپریل ۱۹۷۹ء)

جناب سیم بستوی

مدیر اعلیٰ ماہنامہ فیض الرسول براؤن شریف (جسارت)

”امتیاز حق“ علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا ایک تقابلی جائزہ ہے جس میں فاضل مرتب جناب راجا غلام محمد صاحب نے صوبہ ذیل عنوانات کے تحت جنگ آزادی کے بعض اہم تاریخی و سیاسی حقائق کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے..... کتاب کے پہلے منہمکوں میں ذاتی خیال و نظریہ کا جس میناکا نہ انداز میں اظہار کیا گیا ہے، وہ حق پرستی حقیقت پسندی کا ایک فخرانگیز اور واضح نمونہ ہے۔

فاضل مرتب نے ”امتیاز حق“ میں ہندوستان کے جس دو کا تذکرہ کیا ہے، وہ نازک اور پُر آشوب دور تھا، جب دنیا دار علمائے مذہب و فرہنگ اور زبان و قوم کی سواگری میں سب سے آگے آگے نظر آنے والے تھے اور اسی طبقہ کو آلہ کار بنا کر برصغیر، اقتدار حکومت نے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے، ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا۔

کتاب ”امتیاز حق“ پڑھنے سے ان مجاہدین حریت اور شہیدان وفا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو زندگی کی آخری گھڑیوں تک دلولہ انجیر لغرہ بلند کرتے رہے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

(ماہنامہ فیض الرسول - اپریل ۱۹۸۱ء)

پروفیسر محمد عظیم بھٹی

گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج، سیالکوٹ

ہماری قلمی تاریخ کے بہت سے ایسے گوشوں میں جن پر نوذنین کا قلم اُن کے ذاتی عقائد اور گرد ہی تعصبات کی وجہ سے ہمیشہ خاموش تماشائی بنا رہا ہے۔ ایک گوشہ فضل حق خیر آبادی کے سیرت و کردار اعمال و افکار اور دینی و سیاسی خدمات کا ہے۔ جس پر اظہار خیال کرنے کے لیے ویڈیو دستہ کو تاہی برقی گئی ہے اور خواہ مخواہ ایسے لوگوں کو اس مسند پر بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جس کے وہ برگزامل نہیں تھے۔ اس گروہ میں اسماعیل دہلوی اور ان کے دوسرے ساتھی شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب امتیاز حق میں (جو اسم بگٹی ہے) پہلی بار علمی دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ہمارے نوذنین کی اس اہم کوتاہی پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ان گوشوں کی بطریق احسن نقاب کشائی کی گئی ہے جس سے علامہ فضل حق خیر آبادی کے سیرت و کردار پر بالعموم اور ان کی سیاسی خدمات پر بالخصوص روشنی پڑتی ہے۔ کتاب ایک دینی، علمی اور تاریخی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا بھی ایک عمدہ مرقع ہے جس کے لیے اس کے مؤلف راجا غلام محمد بلاشبہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

حکیم محمد احمد برکاتی

برکات اکیڈمی - ۲۹۸ - ۷۱ - بلاک ۴ - لیاقت آباد - کراچی

یہ کتاب اپنی شائستگی اور سلاست بیان کے لحاظ سے ایک منفرد اہمیت کی حامل ہے۔ اس انداز سے کتابیں لکھی جائیں تو رباب نظر کو متاثر کر سکتی ہیں۔

پروفیسر ولی محمد

گورنمنٹ انہالہ سلم کالج، سرگودھا

امتیازِ حق کے فاضل نزلت نے بطلِ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تعاقبِ جائزہ پیش کیا ہے۔ اسماعیل دہلوی اور اس کے پیرو سید احمد دہلوی کے فرضی جہاد کا بھی تاریخی حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو بلاستقیاب پڑھا۔ فاضل نزلت نے مستند تاریخی حوالہ جات پیش کیے ہیں اور ابوالحسن علی ندوی، مسعود عالم ندوی، غلام رسول مہراوی، پروفیسر ابوب قادری کے تبصروں کے پروگرام کو بے نقاب کر دیا ہے۔

اسماعیل دہلوی اور سید احمد دہلوی کی انٹریز دوستی اور فرضی جہاد چہرہ کرتے وقت ایک نئی کیفیت سے فاضل نزلت نے ان کی ذاتی تحریروں، ان کے ہم عقیدہ علماء اور ہم عصر لوگوں کی تحریروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ اس شخص کو اس کتاب کا مدعا العنودری کرنا چاہیے جو تاریخی حقائق کو ماننا چاہتا ہے۔

میاں عبدالرشید

کالم نگار، برصغیر، روزنامہ نوائے وقت، لاہور

شاہ اسماعیل دہلوی معروف شخصیت ہیں مگر مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے، حالانکہ آپ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ہیرو تھے۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ آپ کے ایمار تیار ہوا اور اس پر آپ کے دستخط تھے۔
 کردار اتنا بلند تھا کہ ان مجرم کی یادداشت میں جب مقدمہ چلا تو گواہ اسے ثابت نہ کر سکے، مگر مولانا نے
 خود اس کا اعتراف کر لیا اور اسی حق گوئی کی بنا پر انڈیمین بھیجے گئے، اور وہاں وفات پائی۔ تقابلیت
 کے لحاظ سے ان کے مقام کا اندازہ اسی ایک بات سے کیا جاسکتا ہے کہ غالب جیسے نابغہ روزگار
 جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، آپ کا قلم دان تھا اور اشعار میں آپ کی اصلاح اور مشورے
 قبول کرتا تھا۔

زیر نظر کتاب نہایت تحقیق سے مستند حوالوں کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ اسلوب تحریر شگفتہ اور
 رواں ہے۔ صاحبِ موزوں اشعار نگینوں کی طرح بیٹے ہوئے ہیں۔ بات چیت تلے الفاظ اور
 پُر زور انداز میں کہی گئی ہے۔

(روزنامہ قلمی وقت لاہور۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء)

حافظ مظہر الدین مرحوم

راولپنڈی

امتیاز حق ایک عزیز کے توسل سے ملی جس نے مجھے غایت درجہ متاثر کیا ہے۔ قلمی و
 مالی جہاد کے عزم میں اگر محنت مل سکتی ہے، تو آپ کا شرا در معصوم محروم نہیں رہیں گے۔
 معصوم کو میرا سلام نیاز پہنچا دیجئے

محمد عاصم اعظمی

(ایم۔ اے (مہارت)

زیر نظر کتاب امتیاز حق پاکستان کے مشہور قلم کار راجا غلام محمد صاحب کی محققانہ تصنیف ہے، جس میں آپ نے تاریخی خیانتوں، ننانو انصافیوں اور حق و صداقت کے برعکس قتل عام کی روش پر کھلی ضرب لگائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسمیل و بلوی اور مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کو تاریخ کی میزبان عدل پر رکھ کر یہ اندازہ کریں کہ وطن دشمن کون تھا اور وطن کا سپنا شیدائی کون تھا؟ بالاکوٹ کے محاذ پر انگریز آقاؤں کے ایمار و اشرار سے پر اہل وطن کو ذبح کرنے والے کون تھے؟ اور ۱۸۵۷ء میں انگریزی سامراجیت کے خلاف مجاہدوں کی صفیں درست کرنے والا کون تھا؟ راجا صاحب کی تاریخی حقائق پر مبنی یہ کتاب ایسا صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں حقیقی مجاہدین آزادی اور نام نہاد حریت پسندوں کے چہرے کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔

راجا صاحب نے اپنی کتاب میں ایک باب انگریزوں کے خلاف فتوائی جہاد قائم کیا ہے اور حقائق و معارف کی روشنی میں افترا پروازوں کی خوب قلعی کھولی ہے۔ تلاش و جستجو کے نتیجے میں انہوں نے معتبر اہل قلم کے ایسے اقتباسات تراش کر ساتھ ہی لکھ دیے ہیں، جن سے محمد ایوب قادری ملک نام اور دوسرے ارباب قلم کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا پردہ پاک ہوتا ہے۔ مشہور ناقد و مؤرخ مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب حکمائے اسلام، مبدع و مہم، ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں جس میں مولانا ندوی نے حضرت علامہ کی شجاعت و بہادری اور فتوائے جہاد کا اقرار ان الفاظ میں کیا ہے: ”ان تمام مناصب، عہدہ کے بعد مولانا کی دینی آزمائش کا وقت آیا اور غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا بھی باغی قرار دیے گئے۔ ۱۸۵۶ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتوائے جہاد کی پاداش یا

جُرمِ بغاوت میں مولانا مخدوم کو کرسی پائپر سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا تو برطانوی کے ہیبت سے لرباب
اگرچہ پیدا ہو گئے تھے، لیکن مولانا نے خود فتویٰ کی تصدیق نہایت جراتِ ایمانی سے کر دی، اس لیے
موجودہ ریاستِ شوریٰ میں مولانا اور وہ جزیرۃ انگلیماں روانہ کر دیئے گئے۔

(حکمائے اسلام جلد دوم، صفحہ ۳۳۲، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ)

”راجا صاحب کی حقیقت افروز کتاب نے اہل دیوبند کے اس شیش محل کو پاش پاش کر دیا ہے
جس میں بیٹھ کر وہ اپنے اکابر کے انگریز مافی سیاسی کرداروں کو چسپا تے ہیں اور اہل حق مجاہدین آزادی
کے روشن و تابندہ کرداروں کی اہمیت و حیثیت کو ختم کرنے یا اسے گھٹانے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔“
(ماہنامہ فیض الرسول، براؤن شریف، معارف - نومبر ۱۹۸۱ء)

پروفیسر محمد حسین آسی

گورنمنٹ جہان اسلامیہ کالج - سیالکوٹ

جب بڑھئی کے سرزمین میں من کے کالے تن کے گورے افریقیوں کا ورود و نامعلوم براہِ شاطر
افرنک نے اپنے ناپاک مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ملتِ اسلامیہ کا باہمی انتشار ضروری سمجھا۔
کھلم کھلا دشمنِ اسلام ہونے کی حیثیت سے اُس کے لیے ایسا کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ پس منظر میں رہ کر
کسی بکاؤ مال کی تلاش میں تھا۔ تمام ظرفی حالات دیکھتے کہ قرمہ فال اسمعیل و عبوی کے نام پڑا۔ یہ وہی
اسماعیل صاحب ہیں جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے اور فخر المحدثین شاہ عبدالعزیز کے
بھتیجے تھے۔ یہ ایسے بندۂ تسلیم و رضا ثابت ہوئے کہ جہاں انہیں خوشنما آقاؤں نے لٹانا چاہا، یہ
لڑے اور جہان سے کہلوانا چاہا کہتے گئے۔ تازہ مذاؤں کو خوش کرنے کے لیے کہیں انہوں نے جہاد
کا مفہوم بدلا تو کہیں دلی سے پشاور تک شہرِ محال کیا اور کر دیا۔ یہ اسی دغا داری بشرطِ استوار

بائنقبرہ تھا کہ آخر انہی کی راہ میں جان عزیز کی بازی ہک لگا دی۔

ان کے برعکس وہ علمائے حق بھی تھے جنہوں نے اسلام سے منہ موڑا، دشمنانِ ملت کے آلہ کار بنے۔ مولانا فضل رسول بٹالوی، مولانا فیض احمد بٹالوی، حضرت کافی مراد آبادی اور مولانا امام بخش مہربانی جیسے لوگ اپنی مباحِ حیات کو عظمتِ دین کے لیے وقف کیے ہوئے تھے اور انہوں نے آخر تک علمِ حق ہی بلند کیے رکھا۔ شیرِ اسلام مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ اسی کاروانِ حق کے سالار تھے جنہوں نے انگریز کے خلاف بڑی بلند آہنگی سے فتویٰ جہاد دیا تھا۔

دونوں گروہوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق تھا، مگر بڑا سوا اندھی شخصیت پرستی کا جو دن کے اُجالوں کو رات کے اندھیار سے اور رات کے اندھیاروں کو دن کے اُجالے قرار دینے سے نہیں بچ سکتی۔ مؤرخین کے ایک خاص تریبت یافتہ ٹولے نے اپنی نامِ مصلحتوں کے پیش نظر انگریز پرست اسماعیل دہلوی کو شہیدِ عظیم ٹھہرایا اور فضلِ حق خیر آبادی سے بالکل موگروانی اختیار کی۔

زیرِ نظر تالیف اسی چوری کو جو دراصل سبیز زوری کے مترادف ہے، واشگمان کرنے کے لیے عرضِ تحریر میں آئی ہے محققِ فاضل رام باغلام محمد صاحب نے قابلِ ترویج تاریخی دلائل سے مجرموں کی نشان دہی کر کے اہل حق کی عظمتِ کردار سے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے واقعی شہیدِ فیصل الافرنج کی قلمی کھول کے رکھ دی ہے۔ دشمنانِ ملت کے ذکرِ منہوس سے جس خشکی کا خدشہ ہے، اسے ان کے برستہ اشعار اور خوبصورت تراکیب نے دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیانِ نہایت شگفتہ اور دل آویز ہو گیا ہے۔

اگر عین دشمنین کے ظلمتِ کدے میں آوازِ حق بلند کرنا فی الواقع کوئی عظیم کارنامہ ہے تو بلاشبہ رام باغلام صاحب نے یہ حسین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

سید یعقوب علی شاہ

سابق پرنسپل کینٹ پبلک سکول، مردان (سرحد)

راقم الحروف نے امتیاز حق کا مطالعہ کیا اور تصویر کے دونوں رخ دیکھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا عجایبانہ کردار اور مولوی اسماعیل دہلوی کا انگریز کی حمایت و سرپرستی میں جہاد۔ ہر دو امر ایسے تھے جنہیں تاریخچی دلائل و شواہد سے عوام و خواص کے سامنے لانا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ جناب راجا غلام محمد صاحب صدرا دارۃ الاطال باطل لاہور کو جنہ انے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے پوری دیانت و اری سے حقائق کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے۔

شہید سید گوہر

ایڈیٹر اشرفیہ مبارکپور (جہاں)

”امتیاز حق“ پاکستانی عالم اور قلم کار جناب راجا غلام محمد صاحب کا ایک معلوماتی جامع اور مدلل قلمی شاہکار ہے۔ علامہ شاہ فضل حق خیر آبادی اور سید احمد رائے بریلوی و اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ جس عرق ریزی اور محنت و کاوش کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ لائق تحسین و افرین اور قابلِ فخر ہے۔ تاریخی حقائق و شواہد اور بے شمار حوالہ جات کی موجودگی میں ”امتیاز حق“ کے قارئین کرام سید احمد رائے بریلوی و مولوی اسماعیل دہلوی کی فرضی نواز طبیعت کی پرانگی پر یقیناً چرخ اٹھیں گے اس سلسلے میں موصوفین اپنے ہوں یا غیر، ان حقائق کی اعترافی تحریر امتیاز حق میں ہر جگہ ملے گی۔ انہی حوالہ جات کی بنیاد پر راجا صاحب کی پُر غلوں کا دشمن کو نخراج عقیدت پیش کیا جاسکتا ہے۔

علامہ کے سلسلے میں راجا صاحب کی اس کامیاب کوشش کے بعد ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ امتیاز حق کا پہلا ایڈیشن پاکستان میں شائع ہونے کے بعد دوسرا ایڈیشن الجمع الاسلامی مبارک پور، اعظم گڑھ یو پی نے بھی شائع کر کے اپنے اشاعتی مشن کی روشنی میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، بھارت - اکتوبر، نومبر ۱۹۸۰ء)

پروفیسر آفتاب احمد نقوی

گورنمنٹ ظفر علی خاں کالج، وزیر آباد

ہماری قومی زندگی میں یہ ایک بہت بڑا المیہ رہا ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر مؤرخین نے تاریخ نویسی جیسا اہم ترین فریضہ سرانجام دیتے وقت موجود ٹھوس تاریخی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے عقائد و نظریات کو بنیاد بنا کر فیصلے کرنے کی کوشش کی ہے، جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ تاریخ منصفانہ انداز کی بجائے ایک طرفہ کارروائی کے طور پر ہمارے سامنے آئی اور وہ لوگ جن سے مخفی کو ذاتی عقائد کی بنیاد پر اختلاف تھا، ان کے کاربائے نمایاں کو یا تو ظاہر کرنے سے دانستہ گریز کیا گیا یا پھر ان کے میرٹ و کردار کو مخ کر کے ہمیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ کچھ یہی صورت حال ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے بعد کے واقعات سے متعلقہ شخصیات، جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا نام سرفہرست ہے، کے متعلق پیش آئی۔ زیر نظر کتاب امتیاز حق میں آپ ہی کی میرٹ و کردار اور مذہبی و سیاسی کاربائے نمایاں کا تقابلی جائزہ شاہ اسماعیل دہلوی کے میرٹ و کردار کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ کتاب کے مولف راجا غلام محمد صاحب کے نقطہ نظر سے اگرچہ اختلاف ممکن ہے، لیکن ان کی اس کاوش کی اہمیت سے انکار ناممکن نہیں ہے جو انہوں نے تقریباً ایک صد کتب و رسائل کے مطالعے کے بعد تحریر کی ہے اور غوی یہ ہے کہ تمام تر خولہ باقی

کتب انہی لوگوں کی تحریر ہیں جو اعلیٰ دہلی کے عقائد سے متفق تھے۔ محرک پاکستان اور پیغمبر کی سیاسی و مذہبی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ عام قاری کے ذوق مطالعہ کے پیش نظر کتاب میں جابجا خوبصورت اور بر محل اشعار کے استعمال سے کتاب کی افادیت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

(ماہنامہ کتاب، لاہور۔ جنوری ۱۹۸۰ء)

سید الطاف علی بریلوی مدظلہ العالی سے ماہی العلم کراچی

سیکرٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی

آپ نے ایک نہایت اختلافی مسئلہ پر بڑی تحقیق سے کام لیا ہے اور کتاب میں ایسا مواد جمع کیا ہے جو عام طور پر لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔

افتخار احمد القادری

المجمع الاسلامی، مبارک پور (بھارت)

”امتیاز حق“ ایک تہلکہ خیز اور انقلاب انگیز کتاب ہے۔ قصر باطل کے لیے زلزلہ اور محل اعلیٰ کے لیے طوفان ہے۔ وقت کی یہ ایک اہم ضرورت تھی، جس کا احساس ایک نبردست راجا نے کیا اور ایک عظیم تقاضا تھا جسے پورا کیا گیا۔ اس کتاب میں جس سلیقے سے مواد فراہم کیا گیا ہے وہ جس اسی کا حصہ ہے۔ اسے وہ بھی پڑھے گا جو حد کے موضوع پر کسی کتاب کو ہاتھ بھی لگانا نہیں چاہتا۔ یہ نہ کہ اسے گارنٹڈ انداز سے گھبراتا ہے، اسے اہل حق بھی پڑھیں گے اور اہل

باطل بھی۔ اسے مذہب سے دلچسپی اور گہری وابستگی رکھنے والے بھی پڑھیں گے اور وہ بھی پڑھیں گے جو فکر و شعور کے حامل ہیں اور اس سے وہ بھی استفادہ کریں گے جو اپنے آپ کو غیر جانبدار بتاتے ہیں۔ اور سب کو اس کے کچھ دیگر کچھ روشنی ملے گی۔ یہ کتاب مینارۃ رشداً ہدایت بھی ہے اور اپنے زعم میں جو خود کو تاسخ کا بیڑہ اٹھانے والے سمجھتے ہیں ان کے لیے تازیانہ عبرت بھی۔ یہ کتاب ان کی تائید و تکرار کے لیے ایسا مکمل چیلنج ہے جس کا جواب نہیں۔ آپ کو اس عظیم اجتہادی کاوش پر الجمع الاسلامی کے تمام کارکنوں کی طرف سے مبارک باد۔ ربّ قدیر آپ کو اس کا بھرپور صلہ مرحمت فرمائے اور اس کو سامانِ نجات بنائے۔ آمین!

پروفیسر وقار حسین طاہر

گورنمنٹ سرسید کالج، گجرات

امتیازِ حق و باطل کے سلسلے میں راجا غلام محمد صاحب کی تصنیف امتیازِ حق جو مولانا فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ بلاشبہ ایک بصیرت افروز تحقیقی مقالہ ہے جس کی ترتیب و تدوین مستند تاریخی حوالوں سے انتہائی مدلل و انداز میں کی گئی ہے۔

یہ کتاب بڑا سائنس ہے کہ اسماعیل دہلوی اور شیخ عبدالمولیٰ ایسے صاحبِ علم کے اصل کردار کے متعلق مسلمانانِ ہندو پاک بہت کم یا پھر کچھ بھی نہیں جانتے اور اس سے بھی بڑا المیہ تو یہ ہے کہ دریائے شور کے پار کسمپرسی کے عالم میں وفات پا جانے والے جید اور نڈر عالمِ دین علامہ فضل حق خیر آبادی جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، ان کی عظمت کے متعلق بھی لوگ لاعلم ہیں۔ افسوس کہ ایسے کئی واقعات جن کے پس پردہ برطانوی سامراج کا مکر رہا تھا، ابھی تک لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔

تاریخ کو جان بوجھ کر کھینچا گیا اور فرزند ان توحید جنہوں نے فی الواقع نظامتِ انگلشیہ کا مستبد کیا، عوام کی نظر میں سے اوجھل رہے اور وہ لوگ جنہوں نے سرکارِ انگلشیہ سے مصالحتی رویہ اور سوشل بائی کے سبب یہی رکھا، انہیں ہر طرح سے دنیاوی سرفرازی ملی۔ لہذا اس وقت پیدا ہوا ہے :
: بنامِ مناد اور شور اور ذمی شعور لوگ اپنے تعصبات کی روشنی میں ایسے لوگوں کی عظمتوں کے گنہگار بن گئے ہیں اور اس طرح لوگوں میں ابہام کی ترویج کا باعث بننے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کو تعصباتِ فرسودگی اور انسانی مسائل سے آلودہ کرتے ہیں۔

جنابِ محمد طفیل

ایڈیٹر ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد

زیادہ تر کتاب برِ عظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے اس دور سے بحث کرتی ہے جب مغلیہ سلطنت دم توڑ رہی تھی اور انگریز دنیا کے اس عظیم خطہ میں اپنا تسلط جاری رکھتے۔ افراتفری اور طوائف الملوک کا دور ایسا ہوتا ہے کہ جمیئتِ بکھر چکی ہوتی ہے اور منتشر گردہ اپنا اپنا راگ الاپ رہے ہوتے ہیں اور جو قومیں اقتدار کی گھات میں ہوتی ہیں، وہ منتشر گردہ ہوں کو باہم لڑا کر خود مسندِ اقتدار پر بایمان بجاتی ہیں۔ ایسا ہی رویتا انگریزوں نے اختیار کیا اور برِ عظیم میں بسنے والی مختلف اقوام کو آپس میں لڑایا جس سے ایک جانب تو ان کی توجہ انگریزوں کی لیٹا رستے ہٹ گئی اور دوسری طرف باہم لڑا کر وہ کمزور ہو گئے، یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔

تاہم مصنف کے اپنے خیال کے مطابق اس کتاب کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا اسماعیل دہلوی و مولانا سید احمد بریلوی کی دینی، ملی، سیاسی اور تحریکِ پاکستان کے تعلق سے خدمات کا موازنہ کیا جائے اور مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی دین و ملت اور امتِ مسلمہ کے سچے شیعہ تھے، جبکہ مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا سید احمد بریلوی

اگرچہ جہاد کرتے رہے، لیکن وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انگریزوں سے مراعات یافتہ تھے جس کے ثبوت میں انہوں نے باجماعت حل حوائج پیش کیے ہیں۔

اس کتاب کی تصنیف سے جناب راجا غلام محمد صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دورِ حاضر کے بعض مآخذ نگار جیسے مولانا غلام رسول مہر اور جناب محمد ایوب قادری صاحب نے حقائق سے صرف نظر کر کے مولانا فضل حق کی حیثیت گھٹانے اور دوسرے دونوں علماء کی طرف فساد کی کر کے انہیں بلند مقام دلوانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ کتاب کا پہلا حصہ اس امر سے بحث کرتا ہے کہ جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں مولانا فضل حق خیر آبادی نے کیا کردار ادا کیا۔ فیاض مصنف نے علامہ خیر آبادی کے فتویٰ جہاد، دیگر مساعی، بہادر شاہ ظفر سے مشاورت اور عدالت میں ان کی حق گوئی، سزائے قید، بھروسہ و ریاستے شہداء اور وہیں قید و بند میں ان کی وفات کا ذکر کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ خیر آبادی ملت اسلامیہ کے بھی خواہ اسلام کے ٹڈی باتی اور حق کو جہاد تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ خیر آبادی کی خدمات لائق تحسین رہیں۔

کتاب کا دوسرا بڑا حصہ اس موضوع سے بحث کرتا ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل اور ان کے رفیق کار مولانا سید احمد بریلوی کا کردار مشکوک کتنا تھا جاتا۔ ہا اور سو برس بعد میں حملے کے وقت ان کے عمت اندہ ان کے کردار اور تحریک جہاد کو شبہ کی نشاوت دیجی گئی، انہیں انگریزوں کے جاسوس اور اسلام سے منحرف سمجھا گیا اور اس کے ثبوت میں انہوں نے معائنہ کتب و اقتباسات پیش کیے ہیں۔

ہماری رائے میں جس موضوع پر فیاض کتاب نے قلم اٹھایا ہے، وہ بہت اہم ہے اور اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے اصناف کے کردار اور اعمال کا بے لاگ جائزہ لیں اس اصول کو پیش نظر رکھ کر جب زیر تہ عرو کتاب پڑھتے ہیں، تو اس سے ایک پہلو تو عیاں ہوتا ہے لیکن دوسرے نقطہ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی، تاہم بزرگ عظیم میں مسلمانوں کی تاریخ کے ایک اہم دور سے یہ کتاب بحث کرتی ہے اور محققین کو مواد پیش کرتی ہے کہ وہ اس موضوع پر اس پہلو سے بھی غور کریں تاکہ حقائق تک پہنچنے میں مدد مل سکے۔

علمی موضوعات پر قلم اٹھاتے وقت ایسی زبان استعمال کی جائے جس سے یہ حیاں دہو کر کسی پر حملہ کیا جا رہا ہے یا کسی کی پڑوسی اچھالی جا رہی ہے، تو بحث زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے، جبکہ امتیاز حق میں اس امر کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے، تاہم ۱۸۵۷ء اور اس سے قریبی دور کے سیاسی فکری حالات پر مشتمل یہ کتاب مطالعہ پاکستان کے لیے مفید ہوگی۔ علامہ خیر آبادی کی منتظر کا اعتراف بھی ہو سکے گا۔

مصنف نے جا بجا اشعار بھی اس کتاب میں نقل کیے ہیں۔ بلاشبہ اشعار کی اپنی افادیت اور حیثیت ہے، لیکن تنبیہ و موضوعات پر قلم اٹھاتے وقت اشعار کا سہارا لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا جبکہ بعض اوقات ایسا کرنے سے موضوع سے انصاف نہیں ہوتا، اس لیے تنبیہ و تحریروں میں اشعار کی بجائے قوی اور مضبوط دلائل پیش کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

(ماہنامہ منسکر و نظر اسلام آباد - جنوری ۱۹۸۰ء)

جناب حاجی احمد مجاہد

ہفت صفحہ افق کراچی

محترم راجا غلام محمد پوری پاکستانی قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس نام نہاد گردہ کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے، بلکہ امتیاز حق کو جو کاسم بائسمیٰ کتاب ہے، کے ذریعے، بطل حریٰ شہید انڈیرمان علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا جس محققانہ انداز میں تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اس سے متعلق پڑا لے جانے والے پورے اٹھ چکے ہیں اور تحریک آزادی کے حالات و واقعات اور پس منظر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔ یہ کتاب ایسی تصویر ہے جس سے تمام چہرے بخوبی پہچانے جاسکتے ہیں کہ کون کس کیمپ میں تھا اور کس کو رات ۱۵-۸۵ء تادر اور تارک بھرت کے سینکڑوں حوالوں سے راجا غلام محمد نے ایسی کتاب

مولانا محمد عبد المنعم ہزاروی مرحوم

اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے اور ایک ایسی سازش کا پردہ چاک کیا گیا ہے جس کا تانا بانا گزشتہ ایک صدی پر محیط ہے۔ مصنف نے مجاہد تحریک آزادی ۱۸۵۷ء علامہ فضل حق خیر آبادی اور ننگ اسلاف مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تعاقب کیا ہے اور ناقابل تردید حقائق و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ علامہ خیر آبادی نے ملت و مذہب کے لیے اپنا سب کچھ نثار دیا اور اسماعیل دہلوی نے ملت کش کارول ادا کیا۔ آدمی جس کتاب کو ایک نشست میں ختم کر لے اور پھر بار بار پڑھنے کو جی چاہے، یقیناً وہ کتاب اور صاحب کتاب دونوں عظیم ہوتے ہیں اور اس بڑے آسمانی نئے ایسی کتابیں بھی موجود ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جو لگ بھگ ۱۰۰ کتب کا پچوڑ ہے۔ زبان و بیان انتہائی سلیس و شگفتہ۔

(ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی - مئی، جون ۱۹۷۹ء)

پروفیسر شاہین ملک

پکڑا ہواؤس، ۵۹-سی-اعوان کالونی-ملتان روڈ، لاہور

(پہنچائی میں)

انتیاز حق کتاب وچ جمعوت کچھ دانثار تاریخی سوالیاں نال کیت گیا اے۔ شاہ اسماعیل تے مجاہداں دی تحریک دا بھانڈا چھوڑ دیاں ایہ ثابت کیت گیا اے کہ ایہ جہاد بدیسی حاکم انگریز دے وردھہ اکا نہیں سی، سگوں انگریزاں دی راہ وچ دڑی دیسی طاقت پنجاب دے سکھاں دے خلاف

مرتب کی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جو مستند بھی ہے اور زبان و ادب کا لازوال خزانہ بھی۔

موضوع کی مناسبت سے جگہ جگہ جو اشعار دیئے گئے ہیں، انہوں نے کتاب کی افادیت میں مزہ اضافہ کر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار خاص طور پر اسی لیے لکھے گئے تھے۔ رامہ صاحب کو زبان و ادب پر مکمل عبور حاصل ہے۔ انہوں نے حوالوں کے قطرے جس جنت اور حرق ریزی سے جمع کیے ہیں، وہ اس کتاب کی صورت میں ایسا سیل رواں بن گیا ہے جس نے نا اہلاد محوزین کی ۳۰ سالہ کاوشوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کتاب اتنی دلچسپ ہے کہ ایک ہی نشست میں پوری کتاب ختم کیے بغیر چھوڑنے کی جی نہیں چاہتا۔ کتاب اتفاقاً حق اور ابطال، باطل کا بہترین نمونہ ہے۔ مخالفین اس کتاب کی اشاعت پر بہت چراغ پدا ہوئے، مگر اس کا جواب لکھنا ان کے بس کا روگ نہیں، کیونکہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ خود ان کی تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے ہر فرد کو بڑھنی چاہیے۔ خاص طور پر طلباء کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہر لائبریری میں اس کتاب کا موجود ہونا ضروری ہے۔ (مہفت روزہ آفتی کراچی - ۲۷ اگست تا ۹ ستمبر ۱۹۷۹ء)

صاحبزادہ محمد محبت اللہ نوری

بصیرہ (لاہور)

یہ بات کتنی دلت فرباہ ہے کہ آج کا درسی نصاب ابن الوقتوں کو جنگ آزادی کا ہیرو بن کر پیش کر رہا ہے۔ نئی نسل بہک رہی ہے، اُسے یہ کیا یاد رہا ہے۔

غیر فطرتاً کتاب میں اسی جنگ آزادی کے دوشہزادہ شہناز و داروں (مولوی انجیل دہلوی نور مولانا فضل حق فیروز آبادی، چشتیہ بکشتہ کی گئی۔) شامل نمونہ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا

پانی کر دکھایا ہے۔ مطالعہ سے بچا چلتا ہے کہ ایک کروڑ پچھل ہے، تو دوسرا کا نٹا۔ ایک کعبہ میں جبین نیکز
ختم کرتا ہے، تو دوسرا انگریزی منہم خانے کی دلیز پر سجدہ ریز ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مصنف بالکل غیر جانبدار رہے ہیں۔ ان کا قلم حقائق کی روشنی میں اپنی راہ
خود متعین کرتا گیا ہے۔ عقیدت کی تند و تیز موجوں میں نہ بہا ہے، نہ ادھر تھکا ہے، نہ ادھر ٹسکا ہے
اس دور میں درسی نصاب تیار کرنے والے مصنفین و موزنین کو انہی حقائق کے پیش نظر
اب کام کرنا ہو گا۔ موزنین سے بہت کم ایک عام پاکستانی کو بھی حقائق سننے واد رہنے کے لیے
اس کتاب کا مطالعہ بار بار مطالعہ ضروری ہے۔

(مجلد نور العیب بصیر نور۔ ضلع اٹکلاؤ)

جناب اختر شتا، سچا پنواری مظہری

معرفت اجمل بک ڈپو۔ آر۔ اے بازار لاہور چھاپاؤنی

آپ نے ایسا موضوع اختیار کیا جو آج کل شجر ممنوع بنا ہوا ہے اور کسی بھی اختلافی عنوان پر لکھنے یا
بولنے والے کو نظر استحسان سے نہیں دیکھا جاتا، کیونکہ قلم زیادہ تر دشمن عناصر کے ہاتھوں میں رہا ہے اور
انہوں نے صداقت و انصاف اور دین و دیانت کا حق کرتے ہوئے رہزنیوں کو تقدس کا بدمذہب اور مریضوں
کو رہزن باور کرنے کا اس حد تک التزام کیا کہ لاپتی تمام صلاحیتیں اسی مقصد کے حصول کی خاطر داؤ پر لگا دیں۔
ایسے نامساعد حالات میں آپ انصاف کو تلاش کرنے کی خاطر نکل کھڑے ہوئے اور تاریخ کی لعل
پریشاں کو سوار کرنے کا متمم ارادہ کر بیٹھے۔ اس موضوع پر اگر کوئی انصاف دشمن قلم کار غلامہ فرما کر کہتا تو یقیناً
وہ آپ کی طرح حقائق کو کبھی منظر عام پر نہ لائے، بلکہ تعیناتوں پر تدریج پر دے ڈال دیتا، بہر حال اس خشک
موضوع کو خوب سنجایا۔ موضوع کی خشکی کو دھپ شمعوں کی تری سے خوش گوار کیا، انصاف کی مملکت سے
اس کھاری پانی کو شہ وصال بنا دیا۔ یہ ناچیز جب امتیاز میں پڑھنے لگا تو ایک ہی نشست میں پوری کتاب

سی۔ اس تحریک نول انگریزاں نے ہر طرح دی امداد دی دتی سی۔ انجی ایہ کتاب اپنی تاریخ نول نویں سربوں کو کھنسن تے پرکھن دی دعوت دیندی اے، تاں جو حق سچ تے جھوٹ وکھ وکھ برجاوے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی باسے تاں ساریاں کھال منن لیگ نہیں پر مباداں بارے ہر قسم دے لکھتی ثبوت پیش کر کے اوہناں دی اسلیت نول ننگا کرنا جرات تے بہت واکم لے، جو اس کتاب نے کروکھایا اے۔ البتہ بیان وادھنگ یوہناں تلک سرائے تے فرقہ وارانہ اے۔

المجمع الاسلامی (اسلامی اکیڈمی)

مبارک پور۔ اعظم گڑھ۔ یوپی (بھارت)

امتیاز حق کا دوسرا ایڈیشن المجمع الاسلامی مبارکپور نے شائع کیا تھا۔ اس کے اختتامیہ کے طور پر ادارے کی طرف سے یہ مختصر میٹائے کی گئی تھی،

”امتیاز حق راجا غلام محمد لاہور کی ایک ایسی گراں قدر تصنیف ہے جس میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تاریخی جائزہ پہلی مرتبہ اس دیانت و انصاف کے ساتھ اہل علم کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ وہ حقائق و واقعات کی تزئین کر صیح اور سچے نتائج اخذ کر سکیں۔ ایک مدت سے یہ ریم ملٹی آرہی ہے کہ حسن و قبح اور نیک و بد کے بجائے اپنے اور بیگانے کا امتیاز کر کے تاریخی بنائی جا رہی ہیں اور عقل و دیانت کے خلاف روایتوں کا اختراع کر کے اپنے آپ کو مریدانِ ثبات کرنے کی شب و روز کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن فاضل معتمد نے یہ کتاب لکھ کر ایسے نام نہاد و مومنین کے دُش سے تعاب اٹھ کر انہیں از سر نو کچھ دیکھنے سننے پر مجبور کر دیا ہے اور ناقابل تردید تاریخی دلائل و ثبوت کے ساتھ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی تحریک آزادی ہند کے اولین قاعدوں اور

رہنماؤں میں ایک منفرد اور مستند مقام کے مالک ہیں اور ان کے جس شاہ اسماعیل دہلوی اشترینوں کے
بھی خواہ اور ان کے ہمیشہ وفادار رہے ہیں، اس لیے سکھوں کے خلاف ان کے جنگ و جدال کو تحریر آراؤں
ہند کا جز اور کوئی حصہ قرار دینا ایک تاریخی خیانت ہے۔

رام باغلام محمد صاحب کو ہم پرنسٹونس خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک نسلیت
ضروری موضوع پر قلم اٹھا کر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ یقین ہے کہ ان کی یہ کتاب ہزاروں طلبانِ حق
کے لیے مینارۂ رشد و ہدایت ثابت ہو کر عوام و خواص ہر ایک کے لیے زیادہ سے زیادہ سودمند اور
نتیجہ خیر ثابت ہوگی۔



○

- سنی لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے لیے ہم سے رابطہ قائم کیجئے !
- بشیر اور قصبہ میں کتب خانے قائم کر کے سنی لٹریچر پھیلایئے !
- میلاد پاک گیا۔ ہوں شریف اور اولیائے کرام کے مبارک عرسوں پر بطور تبرک سنی لٹریچر تقسیم کیجئے !
- اپنے وصال یافتہ بزرگوں کے لیے سنی عقائد کی کتب برائے ایصال ثواب تقسیم کیجئے
- خط و کتابت کے وقت اپنا نام اور پتہ واضح شہ خط لکھیے !
- مفت تقسیم کرنے والوں کو خصوصی ہدایت دی جائے گی۔

العقد النہائی

علی

الحجائی

بدینہ ۶۰/۰۰

للفاضل العلامة محمد حمی بن عبد اللہ الاکثنی اردنی

(الترقی ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹م)

مکتبہ قادیہ جامعہ میمنہ رضویہ اندرون لاہور دارالہدو

۳۰۰۰۰ نیات مولانا احمد رضا خان

۳۰۰۰۰ باقی بندوستان

سکول کے طلباء کے لیے

۳۰۰۰۰ جہاد اسلام پانچ حصے ۱۸۰۰۰

۳۰۰۰۰ نماز مستحکم مدینہ پیشکش ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نسیم رحمت ۵۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ اخلاقی چھوٹا مسند ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ برکت میلاد ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ ثواب العبادات ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ پانچ حکایت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نشر و منہ ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نورانی حکایت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ عجایب القرآن ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ بندہ الحق ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ مقام ولایت و نبوت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ پندبالتوب ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ درن مسطفی ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ فاضل بروہی اور مہر رحمت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ فاضل بروہی اور تبرک و تولد ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ تحریک آزادی ہندوستان اور اسلام ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ خطبات آل ہندوستان کی جامعہ ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ اکابر تحریک پاکستان ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ سیرت رسول ﷺ ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ عورتوں کی حکایت ۱۰۰۰۰

اکابر باری حضرات کے لیے

۳۰۰۰۰ کشف المحجوب ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ مکاشفۃ القلوب ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ قانون شریعت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ مدارج النبوة ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ عجایب القرآن ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ بندہ الحق ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ مقام ولایت و نبوت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ پندبالتوب ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ درن مسطفی ۱۰۰۰۰

بچیوں اور خواتین کے لیے

۳۰۰۰۰ نسیم رحمت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نسیم رحمت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نسیم رحمت ۱۰۰۰۰

۳۰۰۰۰ نسیم رحمت ۱۰۰۰۰

